ماہنامہ
صراطِ مستقیم
برمنگھم
October 2024
تاریخ اہل حدیث

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 44 No. 12 October 2024

Rabi ul Awal/ Rabu ul Sani /1446 AH

جلد: 44 شمارہ: 12 اکتوبر 2024ء

ربیع الاول/ربیع الثانی: 1446ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk

انبیاء و مرسلین کو قوموں کی طرف روانہ کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ بھٹکی ہوئی انسانیت راہِ راست پر آجائے اور ہر طرح کی افراط و تفریط سے ان کی زندگیاں پاک ہوجائیں، جسے صراط مستقیم اور سواء السبیل (سیدھا راستہ اور اعتدال کی شاہراہ) کہا گیا ہے۔اس سلسلہ میں ارشادِ ربانی یوں ہوا:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

"ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔" (سورہ نحل: 36)

گذشتہ امتوں میں جو انبیا تشریف لائے وہ ایک خاص خطہ اور علاقہ کی حد تک ہی تھے لیکن حضرت آخر الزماں سرکار دو عالم ﷺ کا معاملہ ایک عالم گیر حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی و رسول آنے والے نہیں ہیں، اگر کوئی شخص اپنے نبی ہونے کا دعویٰ لے کر اٹھتا ہے تو وہ قطعی طور پر جھوٹا ہے اور اس کے کافر ہوجانے میں ذرا برابر بھی شک کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی و رسول کے ساتھ ساتھ سارے جہاں والوں کیلئے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ اب رہنمائی و رہبری کیلئے قیامت تک آپ ﷺ کی تعلیمات سارے انسانوں کی دنیا و آخرت کی کامیابی اور ان کی سرفرازی کیلئے حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے، اگر کوئی آدمی آپ ﷺ کی تعلیمات سے روگرداں ہو کر اپنے طبع ذات دین کو اختیار کرے گا وہ یقینا ناکام و نامراد ہوگا اور اس کا یہ عمل عند اللہ نامقبول ہو گا اور وہ خود کو عذاب جہنم کا مستحق بنالے گا۔ نبی ﷺ نے جو دین پیش فرمایا ہے یہ شروع دنیا سے ہی چلا آرہا تھا یعنی بنیادی طور پر تھوڑا بھی فرق نہیں ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ نے جو دعوت پیش فرمائی اس میں کوئی نئی بات نہ تھی اس سلسلہ میں قرآن اپنی گواہی یوں پیش کرتا ہے۔

﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ﴾

"اس نے تم پر کتاب نازل کی جو حق لے کر آئی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی ہیں۔ اس سے پہلے وہ انسانوں کی ہدایت کیلئے تورات و انجیل نازل کر چکا۔" (سورۃ آل عمران:3)

غرض کہ نمونہ بندگی کی یہ آخری کڑی رکھ دی گئی اور دنیا کو یہ بتادیا گیا کہ

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

اللہ تعالیٰ سورہ توبہ میں محمد عربی خاتم الانبیا ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث فرمائے جانے اور آپ ﷺ کے حقیقی مشن کی طرف نشاندہی فرما رہے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ یوں ہوا: "وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ اسے پورے جنس دین پر غالب کرے۔" اور اسی طرح تھوڑے فرق کے ساتھ۔ (سورہ صف) میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی کہ ﴿ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾

"وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کردے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔" (ترجمانی مولانا مودودیؒ)

مذکورہ بالا دونوں آیات پر غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی کہ نبی محترم سرکار عالم ﷺ کو عرب کی سرزمین سے اس لئے اٹھایا گیا ہے کہ دین اسلام کو تمام باطل ادیان پر غالب کردے چاہے مشرکین کو یہ بات کتنا ہی ناخوش کردے۔

گذشتہ انبیا علیہم السلام کو جو دین دیکر بھیجا گیا تھا ان انبیاء کی متعلقہ امتوں نے اپنے انبیاء کے وصال کر جانے کے بعد دین میں بگاڑ پیدا کرلیا اور یہاں تک کہ اپنے انبیاء پر اتاری گئی مقدس کتابوں کی تعلیمات میں الٹ پھیر کرتے ہوئے کمی و زیادتی کر بیٹھے یعنی مفاد دنیا کی خاطر اس میں تحریف کر چکے، ان لوگوں کو پھر وہی اصلی تعلیمات کی طرف دعوت دینا نبی ﷺ کی بعثت کا عظیم مقصد ہے اور نبی کریم ﷺ کی ولادت با سعادت پھر اس کے بعد نبوت کا تاج آپ ﷺ پر رکھنے کا دوسرا منشا یہ ہے کہ عرب کی ان سرکش قوم کو جو بت پرستی میں مبتلا ہو چکی تھی اور اللہ کی ذات، صفات، اختیارات اور اس کے حقوق میں اپنے ہی ہاتھوں بنائے گئے بتوں کو دخیل و شریک سمجھ بیٹھی تھی، ان کو واحد لاشریک کی طرف بلانا تاکہ دنیا میں اللہ کی مرضی کے مطابق عمل ہونے لگے اور زمین پر معبودان باطل کی جھوٹی بندگی ختم ہو، خدا کی زمین پر خدا کے احکام نافذ ہوجائیں اور سارے کے سارے انسان ایک خدا کی بندگی اختیار کرنے لگیں کیونکہ بندگی کے لائق ذات صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی کی ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ ادیان باطل پر دین رحمت و دین فطرت غالب ہو کر رہے۔

یہاں پر یہ بات قابل غور و فکر کی یہ ہے کہ غلبہ دین کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ مراسم عبودیت میں کچھ تبدیلی آجائے یا بت پرستی چھوڑ کر اسلامی طرز کی عبادات؛ نماز پڑھی جانے لگے بلکہ دین حق کے غالب

ہو جانے کا وسیع معنی و مفہوم یہ ہے کہ انسان کی پوری زندگی کے شب و روز اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے احکامات کے تابع ہو جائیں یعنی ان تمام امور میں اللہ کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کیا جائے اور اس کے حکم اور منشا کے عین مطابق دنیا میں عطا و منع کے فیصلے ہوں۔

اسی کی خاطر اللہ رب العالمین نے اپنے محبوب بندے حضرت محمد ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر مبعوث فرما دیا اور آپ پر جو کتاب اتاری ہے وہ انسانوں کیلئے دستور حیات بنادی اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات گرامی اور آپ کے اقوال و اعمال یہ سب کے سب قرآن حکیم کے تشریحات و توضیحات اور مکمل تفسیر ہے جو ہر انسان کی دنیا و آخرت کو بنانے اور سنوارنے کیلئے انتہائی ضروری ہے اور اس سے فراری اختیار کر کے کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ مالک کائنات نے خود یہ بات ارشاد فرمادی:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾

”میرے رسول جو کچھ تمہیں عطا کریں لے لو اور جس چیز سے منع فرمادیں رک جاؤ۔“ (سورۃ الحشر: 7)

نبی پاک ﷺ کے چند دعوتی پہلو پر بھی ہماری نگاہ ہونی چاہیے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی رسالت کے اعلان کے بعد توحید باری تعالیٰ کی دعوت پیش فرمائی آپ ﷺ کی دعوت کیا تھی؟

یہی کہ اے لوگو تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

پھر آگے مزید یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ اے لوگو تم جن جن کو اپنی حاجت پوری کرنے؛ پوجتے ہو، وہ نہ تو تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان، پھر تم کیوں ان کے آگے اپنے مراسم عبودیت ادا کرتے ہو؟ میں یہ بات تم کو اپنی طرف سے نہیں بتا رہا ہوں بلکہ یہ میرے رب کریم مولیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہدایات ہیں، میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی اترتی ہے۔ لہٰذ تمہیں چاہئے کہ مجھ پر ایمان لے آؤ اور ان تمام مشرکانہ عقائد و اعمال کو چھوڑ دو جو تم لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے صرف اور صرف اسی کی غلامی اختیار کرو جو واحد لا شریک ہے جس نے مجھے دین حق دے کر اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے، جو حقیقت میں میرا اور تمہارا اور سارے جہاں کا رب ہے۔

الغرض آقائے نامدار ﷺ کی تعلیمات کا اصل یہی ہے کہ صرف اللہ ہی معبود برحق ہے جو سب کا خالق ہے پروردگار مدبر و مالک ہے، لہٰذا پرستش کا مستحق اور حقیقی مطاع صرف وہی ہستی ہے ان میں سے کسی حیثیت میں بھی اس کا کوئی بھی شریک و حصہ دار نہیں ہے۔

نبی محترم ﷺ اپنی حیات طیبہ میں کبھی بھی دعوتی جدوجہد کو نہیں چھوڑا اور اپنی پوری حیات مطہرہ کو اسی کام میں لگایا اور اس راہ میں آپ ﷺ نے بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کیں اور تکالیف اٹھائے، مگر ایک لمحہ کیلئے بھی اس کام سے کبھی دستبردار نہیں ہوئے۔

مشرکین مکہ کی ناکام و مکروہ حکمت عملی بھی دیکھیے۔

نبی کریم ﷺ کی دعوت کو پھیلتا پھولتا دیکھ کر سرداران قریش نے ایک مکروہ حکمت عملی اختیار کی چنانچہ نبی کریم ﷺ جو حقیقت میں انسانوں کو ایمان کی دولت، حسن اخلاق کی دولت، امن و سلامتی کے خزانے اور جنت کی کنجیاں عطا کر رہے تھے لیکن یہ عقل کے اندھے مشرکین مکہ و سرداران قریش آپ ﷺ کی قدر نہ جانی بلکہ آپ ﷺ کو کچھ مال و دولت کی لالچ بتا کر دعوت حق سے دستبردار کروانا چاہتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ قریش کے کچھ سردار مسجد حرام میں محفل جمائے بیٹھے تھے اور اسی مسجد کے ایک گوشہ میں سرکار دو عالم ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔

قارئین کرام! یہاں پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب تحریک اسلامی مختلف ادوار سے گذر کر اور مشکلات سے دوچار ہو کر آگے بڑھ رہی تھی اور اسی زمانے میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی نبی کریم ﷺ کے دست حق پرست پر ایمان لا چکے، اس طرح دعوت حق کے آگے بڑھتے قدم کو دیکھ کر دشمنان اسلام خائف سے ہو چکے تھے، ان سرداران قریش کو یہ فکر دامن گیر ہو چکی تھی کہ فرزندان توحید کا قافلہ دن بدن اسی طرح آگے بڑھتا چلا گیا تو ہماری تمام اجارہ داریاں اور سرداریاں خاک میں مل جائیں گے، چنانچہ ان لوگوں نے ایک ترکیب یہ کی کہ عتبہ بن ربیع جو ابوسفیان کے خسر تھے انہیں اپنا نمائندہ بنا کر آپ ﷺ کے پاس بھیجا (اس خام خیالی کے ساتھ کہ نبی ﷺ کو کچھ لالچ بتا کر دعوت دین سے دستبردار کر والیں گے) چنانچہ اپنی محفل میں طے شدہ پروگرام کے مطابق عتبہ بن ربیعہ نے آپ ﷺ کے پاس جا کر چند پیش کش رکھا۔

1۔ اے محمد ﷺ اگر تم اس دعوت کے ذریعہ سے دولت کما کر مالدار بننا چاہتے ہو تو ہم سب مل کر تم کو اتنی دولت دیتے ہیں کہ تم عرب میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے۔

2۔ تمہارا مقصد یہ ہو کہ تم اس کے ذریعہ بڑا بننا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔

3۔ اگر تم حسین عورت چاہتے ہو تو ہم دنیا کی سب سے زیادہ حسین عورت تمہاری خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

مذکورہ تمام باتوں کو آپ ﷺ بڑے اطمینان کے ساتھ سماعت فرمایا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے تعوذ و تسمیہ کے ساتھ سورہ حم سجدہ کی تلاوت شروع فرمائی یہاں تک کہ آپ ﷺ سجدہ والی آیت تک پہنچ چکے اور اللہ رب العزت کے حضور سجدہ فرمایا، اس کے بعد اپنا سر مبارک اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری ان سب باتوں کا یہی جواب ہے، یعنی میں اپنے رب کی بندگی اور نبوی ذمہ داری کے سامنے تمہاری کسی بات کو رتی برابر اہمیت نہیں دیتا۔

غیر محتاط گفتگو اور نامناسب باتوں کی ممانعت

سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِي، وَلْيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِي.» وَحُكِّينَا عَنِ ابْنِ الْأَعْرَابِيِّ أَنَّهُ قَالَ: الْعَرَبُ تَقُولُ: لَقِسَتْ نَفْسِي أَيْ ضَاقَتْ. (صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب لا يقل: خبثت نفسي: 6180- صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب كراهة قول الإنسان خبثت نفسي:2251)

"تم میں سے کوئی بھی یوں ہرگز نہ کہے کہ میرا نفس پلید وناپاک ہو گیا ہے، بلکہ اسے یوں کہنا چاہیے کہ میرا نفس سُست پڑ گیا ہے۔"

اصل میں یہ عرب کے محاورے تھے، وہ جب طبیعت میں تنگی محسوس کرتے تو ایسا بولا کرتے تھے۔ پہلے محاورے میں نفس کے ناپاک ہونے کا ذکر ہے اس لیے اسے بولنے سے منع کیا گیا، کیونکہ مومن کا نفس ناپاک نہیں ہوتا بلکہ کافر کا نفس ناپاک ہوتا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ لِلْعِنَبِ الْكَرْمَ، إِنَّمَا الْكَرْمُ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ»(صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب قول النبي ﷺ: «إنما الكرم قلب المؤمن»: 6183- صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب كراهة تسمية العنب كرماً: 2247)

"تم انگور کو کرم ہرگز نہ کہا کرو، کیونکہ کرم تو صرف مسلمان شخص ہوتا ہے۔"

یعنی یہ بھی بولنے میں بے احتیاطی ہے کہ مسلمان کی ایک خصلتِ مدیحہ کو کسی پھل کے نام کے طور پر بولا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدتِ احتیاط کے پیشِ نظر اس سے بھی منع فرما دیا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَأَمَتِي، وَلَا يَقُولَنَّ الْمَمْلُوكُ رَبِّي وَرَبَّتِي، وَلْيَقُلِ الْمَالِكُ: فَتَايَ وَفَتَاتِي، وَلْيَقُلِ الْمَمْلُوكُ: سَيِّدِي وَسَيِّدَتِي، فَإِنَّكُمُ الْمَمْلُوكُونَ وَالرَّبُّ اللّٰهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ.»(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب لا يقول المملوك ربي وربتي:4975)

"تم میں سے کوئی بھی (اپنے غلام اور لونڈی کو) 'میرے بندے' اور 'میری بندی' ہرگز نہ کہے، اور کوئی غلام اور لونڈی بھی (اپنے مالک کو) 'اے میرے رب' ہرگز نہ کہے، بلکہ مالک کو چاہیے کہ وہ یوں کہے: اے جوان لڑکے، اے جوان لڑکی۔ اور غلام و لونڈی کو یوں کہنا چاہیے: اے میرے سردار، کیونکہ تم سبھی غلام ہو اور رب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

«لَا تَقُولُوا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ فُلَانٌ، وَلَكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب لا يقال خبثت نفسي:4980)

"تم ایسے مت کہو کہ جو اللہ تعالیٰ اور فلاں چاہے، بلکہ یوں کہو کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے، پھر فلاں چاہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ

أَنَّ خَطِيبًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوَى، فَقَالَ ﷺ: «بِئْسَ الْخَطِيبُ أَنْتَ، قُلْ: مَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ غَوَى» (صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة: 870-سنن أبوداؤد، كتاب الصلاة:1099)

"ایک خطیب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) ان الفاظ میں (خطبہ دیا:

«مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى»

"جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہو گا۔" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تُو بُرا خطیب ہے، (ایسے نہیں بلکہ یوں) کہہ:

«مَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ غَوٰى»

"جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہو گا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ادبِ خداوندی کا پاس کرتے ہوئے خطبہ دینے والے اس شخص کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ایک ہی ضمیر (Pronoun) کے ساتھ اکٹھا ذکر کرنے سے منع فرما دیا اور ان دونوں ناموں کو الگ الگ بیان کرنے کا حکم فرمایا، یہ بھی بولنے میں شدید احتیاط اور ادبِ الٰہی کی درخشندہ مثال ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ

أَنَّهُ نَهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ. (صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر: 5975-

صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة، والنهي عن منع وهات:1715)

’’نبی ﷺ نے قیل و قال، کثرتِ سوال اور مال ضائع کرنے سے منع فرمایا۔‘‘

قیل و قال سے مراد سنی سنائی باتیں آگے بیان کر دینا، کثرتِ سوال سے مراد ضرورت سے زیادہ اور بے معنیٰ و بے مقصد سوالات کرنا ہے اور مال ضائع کرنے کا مطلب مال کو ان امور میں سرف کرنا کہ جن میں خرچ کرنا فضول خرچی کے زمرے میں آتا ہو۔

نبی ﷺ نے لفظ زَعَمُوا (لوگوں کا خیال ہے) بولنے کے بارے میں فرمایا:

«بِئْسَ مَطِيَّةُ الرَّجُلِ زَعَمُوا» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في قول الرجل: زعموا:4972)

’’لفظ زَعَمُوا آدمی کے سوار ہونے کا بہت برا جانور ہے۔‘‘

اس روایت میں اس عادت کے ناپسندیدہ ہونے کی طرف اشارہ ہے، کہ بندہ بے اصل و بے بنیاد باتوں کو محض سُن سنا کر یا اپنے ہی گمان اور خیال کی بنیاد پر کسی بات کو آگے بیان کر دے اور اسے لوگوں سے منسوب کر دے کہ لوگوں کا یہ خیال ہے یا لوگ یوں کہتے ہیں۔

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَقُولُوا لِلْمُنَافِقِ سَيِّدٌ.» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب لا يقول المملوك ربي وربتي: 4977- مسند أحمد: 436/5- سلسلة الأحاديث الصحيحة:370)

’’تم کسی منافق کو سردار مت کہو۔‘‘

سردار کہنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے لیے عزت کا کوئی بھی ایسا لفظ نہ بولا جائے جس کا وہ لائق نہ ہو۔

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ

لَا تَقُلْ تَعِسَ الشَّيْطَانُ، وَلَكِنْ قُلْ: بِسْمِ اللهِ، فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ ذَلِكَ تَصَاغَرَ حَتَّى يَكُونَ مِثْلَ الذُّبَابِ. (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب لا يقال خبثت نفسي: 4982- مسند أحمد: 59/5- صحيح الجامع للألباني:7401)

’’تُو یہ مت کہہ کہ شیطان ہلاک ہو، بلکہ بسم اللہ کہہ، کیونکہ جب تو بسم اللہ کہے گا تو وہ(یعنی شیطان)اس قدر چھوٹا ہو جاتا ہے کہ مکھی کی طرح بن کر رہ جاتا ہے۔‘‘

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قَالَ الرَّجُلُ: هَلَكَ النَّاسُ، فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ» (صحيح مسلم، كتاب البروالصلة، باب النهي عن قول هلك الناس: 2623-سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب لا يقال خبثت نفسي: 4983)

’’جب آدمی کہے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو وہ خود ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔‘‘

کیونکہ لوگوں کی ہلاکت و بربادی کا فیصلہ کرنے کا اس شخص کو قطعی حق حاصل نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے، تو ایسا کہنے کی وجہ زبان کا ناجائز استعمال ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے اسے سب سے زیادہ ہلاکت کا مارا قرار دیا۔

جھگڑانہ کرنے اور مزاح میں بھی جھوٹ نہ بولنے کی فضیلت

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ يَتْرُكِ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحًا، وَبِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ.» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق: 4800- سلسلة الأحاديث الصحيحة:273)

’’میں اس شخص کے لیے جنّت کے ایک گوشے میں بنے گھر کا ضامن ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے اور درمیانِ جنّت(میں قائم گھر) کی اس کے لیے ضمانت دیتا ہوں جو مزاح میں بھی جھوٹ بولنا چھوڑ دے اور جنّت کے اعلیٰ درجے میں تعمیر گھر کا اس کے لیے ضامن ہوں جس کا اخلاق اچھا ہو۔‘‘

زیادہ ہنسنا ناپسندیدہ عمل

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُنْ وَرِعًا تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ أَشْكَرَ النَّاسِ، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَأَحْسِنْ مُجَاوَرَةَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَأَقِلَّ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ.» (سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الورع والتقوى: 4217)

’’پرہیز گار بن جا؛ تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار بن جائے گا، قناعت پسند ہو جا؛ تمام لوگوں سے بڑھ کر شکر گزار بن جائے گا، لوگوں کے لیے وہی کچھ پسند کرنے لگ جا جو تُو اپنے لیے پسند کرتا ہے؛ حقیقی مؤمن بن جائے گا، اپنے ہمسائے کے ساتھ اچھی ہمسائیگی کا ثبوت دے؛ حقیقی مسلمان بن جائے گا اور ہنسنا کم کر دے؛ کیونکہ زیادہ ہنسنا دِل کو مُردہ کر دیتا ہے۔‘‘

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا.»

’’اگر تمہیں اس کا پتہ چل جائے جسے میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنسو اور زیادہ روؤ۔‘‘

☆☆☆

'مخالفت' کے معنی اہل لغت نے یوں بیان فرمائے ہیں:

دشمنی، عداوت، روگردانی، ضد، ہٹ دھرمی، مغائرت، وہ مخالفت جو بلاوجہ یا محض ضد کی بنا پر کی جائے، اسی کو مخالفت برائے مخالفت کہتے ہیں۔ اس کی جمع مخالفتیں، مخالفتوں آتی ہے اسی سے بعض محاورے معروف ہیں جیسے مخالفت کرنا، یعنی دشمنی کرنا، بیر رکھنا، تضاد برتنا، اختلاف کرنا، اعتراض کرنا وغیرہ اسی طرح ایک اور محاورہ یوں مستعمل ہے: مخالفت ہونا، یعنی اندھا پن ہونا، باہم کشیدگی ہونا، دشمنی یا عداوت ہونا وغیرہ مخالفت کو عربی زبان میں "مُعَارَضَةٌ، مُخَالَفَةٌ، مُخَاصَمَةٌ" کہتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی میں اسے "Opposition" کہتے ہیں۔

ایک شاعر ثناء اللہ ظہیر نے کہا:

میں دے رہا ہوں تجھے خود سے اختلاف کا حق
یہ اختلاف کا حق ہے مخالفت کا نہیں

اسی طرح ایک شاعر بشیر بدر نے کہا تھا:

مخالفت سے میری شخصیت سنورتی ہے
میں دشمنوں کا بڑا احترام کرتا ہوں

غیر اقوام کے عادات واطوار کی مخالفت

دین اسلام نے غیر اقوام کے عقائد و اعمال، عادات واطوار، اوقات و طریقہ عبادات وضع قطع، رسوم ورواج الغرض قدم قدم پر مشرکین و کفار، یہود ونصاریٰ و مجوس اور اس زمانے میں پائی جانے والی سارے مشرکانہ تہذیب و تمدن اور تشبہات کی عملی مخالفت کی ہے اور امت مسلمہ کو باخبر دار کیا ہے کہ وہ اس پر سختی سے کاربند رہیں۔ مخالفت کے کئی اسلوب ہیں ایک تو یہ کہ مخالفت آوازوں کے ذریعہ سے کی جاتی ہے جیسے احتجاج کرنا، جلوس نکالنا، تشدد کرنا وغیرہ جیسا کہ جمہوری ملکوں میں ہوتا ہے۔ مخالفت کا دوسرا اسلوب تہذیب و تمدن کے ذریعہ سے ہے اور اسلام نے اسی اسلوب کو ترجیح دیا ہے اس ضمن میں بعض احادیث کا تذکرہ مناسب ہوگا تاکہ مسلمان اس مخالفت کو سمجھ سکیں اور مسلم تہذیب و تمدن کو اس کی اصلی حالت پر برقرار رکھ سکیں یہ انداز واسلوب دعات الی اللہ کا بھی ذریعہ ہے۔

1۔ اوقات عبادات میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی مخالفت کی ہے جیسا کہ قریش کی عادت تھی کہ وہ حج کے ایام میں مزدلفہ سے اپنے اس وقت نکلتے تھے جب سورج طلوع ہو جاتا اور ثبیر پہاڑی پر نہ آجاتا، نبی کریم ﷺ نے ان کے اوقات کی مخالفت کی اور سورج طلوع ہونے سے قبل مزدلفہ سے کوچ کیا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

«اِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا لَايَفِيْضُوْنَ مِنْ جَمْعٍ حَتّٰى تَشْرُقُ الشَّمْسُ عَلَى ثَبِيْرٍ فَخَالَفَهُمُ النَّبِيّ ﷺ، فَأَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْس»

"جب تک دھوپ ثبیر پہاڑی پر نہیں جاتی قریش (حج میں) مزدلفہ سے نہیں نکلا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نے ان کی مخالفت کی اور سورج نکلنے سے پہلے آپ نے وہاں سے کوچ کیا۔" (صحیح بخاری: 3838)

اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں ہے سیدنا عمرو بن میمون بیان فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز پڑھی تو میں بھی موجود تھا، نماز کے بعد آپ ٹھرے اور فرمایا:

«إنّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا لَايَفِيْضُوْنَ مِنْ جَمْعٍ حَتّٰى تَشْرُقُ الشَّمْسُ عَلَى ثَبِيْرٍ فَخَالَفَهُمُ النَّبِيّ ﷺ، فَأَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْس»

" مشرکین (جاہلیت میں یہاں) سورج نکلنے سے پہلے نہیں جاتے تھے کہتے تھے: اے ثبیر! تو چمک جا۔ نبی کریم ﷺ نے مشرکوں کی مخالفت کی اور سورج نکلنے سے پہلے وہاں سے روانہ ہو گئے۔" (صحیح بخاری: 1684؛ جامع ترمذی: 896؛ سنن ابوداود: 1938؛ سنن نسائی: 3050)

اس مخالفت سے اس بات کی تعلیم ملتی ہے کہ عبادت، مراسم، معاملات میں مشرکین کے اوقات کی مخالفت کرنی چاہئے لیکن افسوس ہے امت مسلمہ پر کہ وہ عبادات و معاملات اور عیدین کی ادائیگی میں اب مشرکین کی موافقت کرنے لگے ہیں جیسے عصر کی نماز کو انتہائی تاخیر سے ادا کرنا، افطار کو تاخیر سے ادا کرنا، نکاحوں میں تاخیر کرنا وغیرہ۔

2۔ عادات واطوار، وضع و قطع میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی مخالفت کا حکم دیا ہے مشرکین داڑھیاں منڈایا کرتے تھے اور مونچھیں چھوڑ دیا کرتے تھے اس وضع قطع کی رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف مخالفت کی بلکہ مخالفت کا حکم دیا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«خَالِفُوْا لِمُشْرِكِيْنَ أَخْفُوْا الشَّوَارِبَ، أَوْفُوْا

اللِّحَى»

”مشرکوں کی مخالفت کرو، مونچھیں اچھی طرح ترشواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔“(صحیح مسلم:602)

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«جُزُّوْا الشَّوَارِبَ، وَ أَرْخُوْا اللِّحَى خَالِفُوْا المَجُوْسَ»

” مونچھیں اچھی طرح کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ، مجوس کی مخالفت کرو۔“(صحیح مسلم:603)

اس حدیث کی روشنی میں کوئی بھی مسلمان اپنی مونچھوں کو مشرکین کے وضع قطع کی طرح نہیں بڑھا سکتا اور نہ داڑھی مونڈ سکتا ہے، اسے داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے اور مونچھوں کو پست کروانا چاہئے کیونکہ یہ حکم نبوی ﷺ ہے اور اس عمل کا مقصود مشرکین کی مخالفت ہے۔ بہت سے مسلمان ہیں جو داڑھی بھی مونڈتے ہیں اور مونچھیں یا تو مونڈتے ہیں یا تاؤ دے کر رکھتے ہیں۔ مشرکین کی تہذیبی و ثقافتی مخالفت ہونی چاہئے، اگر تہذیبی و تمدنی و ثقافتی مخالفت نہ ہو تو ہر قسم کی مخالفت بے وزن و بے فیض ہو جاتی ہے۔

اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سماجی مخالفت اختیار کرنے کی تعلیم دین اسلام دیتا ہے۔ ہم مشرکین کی کتنی ہی بڑی جماعت میں جلوہ افروز ہوں ہمارا حلیہ و بشریٰ اسلامی ہونا چاہئے۔ اس سے فطرتاً ان کی مخالفت ہو گی۔ اس وقت بھی بعض مسلمان ہیں جو ایوانوں میں مشرکین کے روبرو اسلامی حلیہ و بشریٰ اور اسلامی کلمات کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی ہمت و بہادری کو سلام۔

3۔ روزہ عبادت کی ایک قسم ہے جس سے روح کی تربیت ہوتی ہے مسلمانوں کے نزدیک بعض روزے فرض ہیں، بعض سنت ہیں اور بعض نفل ہیں۔ انہی روزوں میں سے ایک عاشورہ کا روزہ بھی ہے، جسے یہود بھی رکھا کرتے تھے۔ یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے میں یہود کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ شریف لے گئے تو 10 محرم کو یہود حالت روزہ میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہود کیوں روزہ رکھے ہوئے ہیں؟ تو آپ کو اس بات سے واقف کروایا گیا۔۔۔۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ” یہود سے زیادہ مسلمان اس روزے کے حقدار ہیں کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہمارے بھی نبی ہیں، تو آپ علیہ السلام نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ آئندہ محرم میں دو روزے رکھیں اور یہود کی مخالفت کریں۔“

جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

«أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِصَوْمِ عَاشُوْرَاءَ يَوْمَ العَاشِرِ»

” رسول اللہ ﷺ نے (محرم کی) دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔“(جامع ترمذی: 755)

اہل علم نے عاشوراء سے متعلق اختلاف کیا ہے بعض نے کہا کہ عاشوراء نویں دن ہے اور بعض نے کہا کہ دسویں دن ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

«صُوْمُوْا التَّاسِعَ وَالعَاشِرَ وَخَالِفُوْا اليَهُوْدَ»

”نویں اور دسویں دن کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو۔“ (جامع ترمذی: 755)

4۔ جب انسان وفات پاجاتا ہے تو ہم تجہیز و تکفین کے بعد نماز جنازہ ادا کرتے ہیں اور اسے دفن کرنے کے لیے قبرستان لے جاتے ہیں اور جب تک میت کو قبر میں اتارنے کا عمل مکمل نہیں ہوتا، اس وقت تک ہم سب قبر کے اطراف کھڑے رہتے ہیں اور تدفین کے عمل کا نظارہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ عمل یہودیوں کی موافقت والا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس عمل میں بھی یہود کی مخالفت کی ہے اور امت کو حکم دیا کہ تدفین کے عمل کے دوران یہودی کھڑے رہتے ہیں لہٰذا تم بیٹھ جاؤ اور بیٹھ کر یہودیوں کے عمل کی مخالفت کرو۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«إِذَااتَّبَعَ الجَنَازَةَ لَمْ يَقْعُدْ حَتّٰى تُوْضَعَ فِيْ اللَّحْدِ، فَعَرَضَ لَهُ حَبْرٌ، فَقَالَ هٰكَذَا نَصْنَعُ يَا مُحَمَّدُ! قَالَ:فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ خَالِفُوْهُمْ»

” جب رسول اللہ ﷺ کسی جنازے کے ساتھ جاتے تو جب تک جنازہ لحد میں رکھ نہ دیا جاتا نہیں بیٹھتے۔ ایک یہودی عالم نے آپ کے پاس آ کر کہا: محمد! ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ بیٹھنے لگے اور فرمایا: ” تم ان کی مخالفت کرو۔“ (جامع ترمذی:1020)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ، مجوس و مشرکین الغرض تمام تہذیبوں کی عادات و اطوار، مراسم و رواج، وضع قطع میں مخالفت کرنی چاہئے۔ اس مخالفت کا معنی یہ نہیں کہ تفریق بین الادیان والمذاھب ہے، بلکہ اسلام کے عادات و اطوار، رسوم و رواج کو سب پر فوقیت دینا ہے کیونکہ سب سے جدید مذہب اسلام ہے، وہ ادیان و ملل کی تاریخ میں سب سے آخری ہے، لیکن افسوس کہ آج مسلمان تہذیب و تمدن و ثقافت میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے نقش قدم پر چل رہے ہیں جس کو ” زمانے کے تقاضے“ کا نام دے رکھا ہے۔ اسی لئے سال گرہ کی تقاریب، کیک کاٹنا، غیروں کی عیدوں جیسے پٹاخے پھوڑنا، چراغاں لگانا، راکھی باندھنا، پتنگیں اڑانا، ڈانڈیا کھیلنا، مشرکانہ عیدوں پر ان کی موافقت، مخلوط تعلیم و

بے پردگی وغیرہ اب ہماری عادتیں بن چکی ہیں۔

5۔ وہ مسلمان جو دین اسلام کی تعلیمات میں تقدیم وتاخیر کرتے ہیں یاسنتوں وفرائض کو آگے پیچھے کر دیتے ہیں ان کی بھی مخالفت ہونی چاہئے مثلاً اگر کوئی آدمی نماز جنازہ میں پہلے تدفین کا عمل اختیار کرے گا اور نماز بعد میں پڑھے گا تو اس کا یہ عمل سنت کے خلاف ہوگا اس کی مخالفت کی جائیگی، کیونکہ میت کو پہلے غسل دیا جائیگا، پھر کفن پہنایا جائیگا پھر نماز جنازہ ادا کی جائیگی اور پھر تدفین کا عمل اختیار کیا جائیگا، اسی طرح جمعہ کے دن پہلے خطبہ دینا سنت ہے پھر دو رکعت نماز پڑھنا چاہیے، اگر خطیب یہ کہے کہ مجھے بہت مصروفیت ہے، لہٰذا پہلے نماز ادا کرلیں گے، پھر خطبہ دیا جائیگا، یا یہ کہے کہ میں جمعہ کی چار رکعت نماز پڑھاؤں گا یا پڑھوں گا تو اس کی مخالفت کی جائیگی کیونکہ وہ سنت کے خلاف کر رہا ہے، اسی طرح اگر کوئی خطیب عیدین کی نماز میں یہ کہے کہ میں پہلے خطبہ دوں گا پھر نماز پڑھاؤں گا تو اس کی مخالفت کی جائیگی کیونکہ وہ سنت رسول کے خلاف کر رہا ہے عیدین میں سنت یہ ہے کہ پہلے عید کی دو رکعت نماز ادا کی جائیگی پھر خطبہ دیا جائیگا پھر دعا کی جائیگی اسی طرح اگر کوئی آدمی نماز فرض چل رہی ہو اور وہ سنت پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جائے تو اس کی مخالفت کی جائیگی کیونکہ وہ سنت کے خلاف کر رہا ہے اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے خلاف کرتے ہیں۔ ان کی مخالفت کی جائیگی جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ایک واقعہ منقول ہے:

سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ "سب سے پہلے عید کے دن خطبے کو نماز پر مقدم کرنے والے مروان بن حکم تھے ایک آدمی نے کھڑے ہو کر مروان بن حکم سے کہا، آپ نے سنت کی مخالفت کی ہے۔ مروان نے کہا:

"يَا فُلَانُ! تُرِكَ مَاهُنَالِكَ."

" اے فلاں! چھوڑ دی گئی وہ سنت جسے تم ڈھونڈتے ہو۔"

یہ سن کر سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أَمَّا هٰذَا فَقَدْ قَضَى مَاعَلَيْهِ"

"اس شخص نے اپنا فرض پورا کر دیا۔"

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُنْكِرْهُ بِيَدِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلَسَانِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَالِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ»

"جو شخص کوئی برائی دیکھے تو چاہئے کہ اس برائی کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، جسے اتنی طاقت نہ ہو وہ اپنی زبان سے اسے بدل دے اور جسے اس کی طاقت بھی نہ ہو وہ اپنے دل میں اسے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔" (جامع ترمذی: 2171؛ سنن ابوداؤد:1140 ؛سنن ابن ماجہ:4013)

5۔غیر اقوام اپنی عبادات کے موقع پر جوتے اور موزے اتار دیتے ہیں بلکہ جوتے دور چھوڑ کر آتے ہیں اور جوتے میں مقدس مقام پر آنے کو توہین سمجھتے ہیں جیسا کہ یہ عقیدہ ہمارے برادران وطن میں پایا جاتا ہے، یہ قدیم عقیدہ ہے جسے یہودی اختیار کئے ہوئے تھے، ان یہودیوں کی مخالفت میں رسول اللہ ﷺ نے جوتوں اور موزوں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا یہ مشرکین کے عادات واطوار اور عقیدہ کی مخالفت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوْا الْيَهُوْدَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَلَاخِفَافِهِمْ»

"یہودیوں کی مخالفت کرو یہ لوگ اپنے جوتوں یا موزوں میں نماز نہیں پڑھتے ہیں۔" (سنن ابو داؤد:625)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جوتے اور موزے میں نماز پڑھنا جائز ہے، یہ عمل قیامت تک جاری رہے گا اور جاری رکھنا چاہئے۔ آج کل مساجد میں قیمتی فرش اور قیمتی جائے نمازیں بچھائی جاتی ہیں، ایسے میں ہم جوتوں میں نماز پڑھیں گے تو لوگوں کو اعتراض ہوگا؟ کہ کہیں جائے نمازیں گندی نہ ہو جائیں! ویسے جوتے میں گندگی لگ جاتی ہے وغیرہ۔

یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ جوتوں کا حکم نہیں بدلے گا، بلکہ انداز عمل بدلے گا جیسا کہ اہل عرب کرتے ہیں۔ اپنے روز مرہ استعمال کئے جانے والے جوتوں کے علاوہ وہ اپنے جیب میں اپنے ساتھ چمڑے کے جوتے رکھ کر لاتے ہیں ، جیسے ہی مسجد میں داخل ہوتے ہیں اپنے پہنے ہوئے جوتے چھوڑ دیتے ہیں اور جیب سے دوسرے جوتے نکال کر پہن لیتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اس سے کراہت ختم ہو جائے گی۔ اگر آپ کسی میدان میں ہوں، جنگل میں ہوں تو اپنے جوتے مٹی میں گھس کر صاف کر لیں گے اور نماز پڑھیں گے۔ نماز کے لئے جوتوں کو اتارنے کی ضرورت نہیں۔ اس عمل کا مقصد یہودیوں کی مخالفت ہے۔

افسوس کہ دینی معلومات کی کمی کے سبب بعض نادان مسلمان اس کی مخالفت کرتے ہیں، ان کی یہ مخالفت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت متصور ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ایسی مخالفت سے ہماری حفاظت فرمائے۔

7۔ سر کے بال انسان کی خوبصورتی کو قائم رکھتے ہیں بالخصوص کالے بال انسان کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں جب کسی کے بال سفید ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی سفیدی کو چھپانے کے لئے دوسرے ہمہ قسم کے رنگ لگاتے ہیں۔ جس کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہے سوائے کالے خضاب کے ، کالا

خضاب لگانا حرام ہے، دوسرے رنگوں کا خضاب استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی لگایا کرتے تھے۔ بالوں کو یہود و نصاری خضاب نہیں لگایا کرتے تھے، اس کی مخالفت میں رسول اللہ ﷺ نے مختلف رنگوں کے خضاب لگانے کا حکم دیا ہے کہ یہود و نصاری کی سماجی و تہذیبی مخالفت کی جائے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

«اِنّ الیَھُوْدَ وَالنّصَارٰی لایَصْبَغُوْنَ فَخَالِفُوْھُمْ»

” یہود اور عیسائی اپنے بالوں کو نہیں رنگتے ہیں تم ان کی مخالفت کیا کرو۔ (یعنی اپنے بالوں کو رنگو)۔“

(سنن ابو داؤد:4203 ؛سنن نسائی:5072،5074، 5075،5243 ؛سنن ابن ماجہ:3621)

8۔عہد نبوی میں نماز کے لئے مسلمانوں کو اوقات نماز سے آگاہ کرنے کے لئے کوئی نظام نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا کہ کس طرح لوگوں کو پنج وقتہ نمازوں کے لئے جمع کیا جائے؟

مختلف آرائیں آئیں رسول اللہ ﷺ نے ہر اس مشورہ کو رد کر دیا جو کسی نہ کسی قوم و مذھب کے تشبہ میں تھا، جس کا تذکرہ اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

” جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وقت مقرر کر کے نماز کے لئے آتے تھے، اس کے لئے اذان نہیں دی جاتی تھی، ایک دن اس بارے میں مشورہ ہوا، کسی نے کہا کہ

"اِتَخِذُوْا نَاقُوْساً مِثْلَ نَاقُوْسِ النّصَارَیٰ."

”نصاری کی طرح ایک گھنٹہ لے لیا جائے۔“

اور کسی نے کہا کہ

"بَلْ بُوْقاً مِثْلَ قَرْنِ الیَھُوْدِ."

”یہودیوں کی طرح ” بوقا“ یعنی نرسنگا پھونکا کرو۔“

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"أَوَلا تَبْعَثُوْنَ رَجُلاً یُنَادِیْ بِالصّلاَۃِ."

”کسی شخص کو کیوں نہ بھیج دیا جائے جو نماز کے لئے آواز لگا دیا کرے، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«یَابِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصّلاَۃِ»

”بلال اٹھو! اور نماز کے لئے اذان دو۔“ (صحیح بخاری:604،606)

ہر مشورہ کو رسول اللہ ﷺ نے رد کیا۔ بالآخر اذان کے مبارک کلمات نافذ ہوئے، جو قیامت تک جاری رہیں گے۔

لیکن افسوس ہے آج کے مسلمانوں پر جو افطار و سحر کے اوقات کے لئے اذان کے کلمات کو معیوب سمجھتے ہیں اور سائرن کو نصب کر لیا جو سراسر خلاف شرع ہے، رسول اللہ ﷺ سحری کے لئے اذان دیا کرتے تھے۔

مخالفت کے اسباب

پہلا سبب: مخالفت کا مزاج پیدا ہونے کے مختلف اسباب ہیں، ان میں سے ایک سبب نمازوں میں اپنی صفوں کو درست نہیں کرنا ہے، نماز کے لئے جب صف بندی کی جاتی ہے، تو امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کی اچھی طرح صف بندی کروائیں، ان کے قدم سے قدم ملائیں اور کندھے سے کندھا ملا کر اس طرح ٹھرائیں کہ صف کے درمیان جگہ خالی نہ رہے، لیکن افسوس کہ اکثر مسلمان نمازوں میں صف بندی درست نہیں کرتے، قدموں کے درمیان جگہ چھوڑتے ہیں اور بعض لوگ چار انگل کا فاصلہ چھوڑنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل سنت رسول ﷺ کے خلاف ہے کیونکہ صف بندی اس طرح کرنی چاہئے جیسے سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار ہو۔ نمازوں کا یہ خلل ہمارے دلوں میں مخالفت کا مزاج پیدا کرتا ہے کیونکہ اس عمل کے سبب اللہ تعالیٰ دلوں میں ایسی کیفیت ڈال دیتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی طرف اپنا رخ کیا اور فرمایا:

«أَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثَلاثًا، وَاللّٰہِ لَتُقِیْمُنّ صُفُوْفَکُمْ أَوْلَیُخَالِفَنّ اللّٰہُ بَیْنَ قُلُوبِکُمْ»

” اپنی صفیں برابر کر لو۔“

آپ ﷺ نے یہ تین بار فرمایا: ” قسم ہے اللہ کی یا تو تم اپنی صفوں کو برابر رکھوگے یا اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت پیدا کر دے گا۔“

سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ، اپنے گھٹنے کو اپنے ساتھی کے گھٹنے کے ساتھ اور اپنے ٹخنے کو اپنے ساتھی کے ٹخنے کے ساتھ ملا کر اور جوڑ کر کھڑا ہوتا ہے۔“ (سنن ابو داؤد:662)

اسی طرح ایک دوسری حدیث شریف میں یہ الفاظ بیان کئے گئے ہیں کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیں صفوں میں ایسے برابر اور سیدھا کیا کرتے تھے جیسے کہ تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ ہم نے آپ سے یہ درس لیا ہے اور اسے خوب سمجھ لیا ہے تو ایک دن آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور دیکھا کہ ایک آدمی اپنا سینہ صف سے آگے نکالے ہوئے ہے آپ نے فرمایا :

«لَتَسُوّنّ صُفُوْفَکُمْ أَوْ لَیُخَالِفَنّ اللّٰہُ بَیْنَ وُجُوْھِکُمْ»

” قسم اللہ کی! تم لوگ یا تو صفوں کو برابر کرو گے یا اللہ

تعالیٰ تمہارے چہروں کے مابین مخالفت پیدا کر دے گا۔" (سنن ابو داوٗد: 663 ؛ سنن نسائی: 811)

صف بندی میں استقامت نہ ہو تو دلوں میں موافقت کیسی رہ سکتی ہے؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مخالفت اللہ کی جانب سے باعث آزمائش ہے، شائد اسی وجہ سے ہمارے دلوں میں ٹیڑھا پن اور مخالفت پائی جاتی ہے۔ سنت رسول اور احکام رسول پر عمل ہی دلوں کو سیدھا کرتا ہے۔

دوسرا سبب: مخالفتوں کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض گروہ، جماعتیں، فرقے، یا شخصیات آپس میں عہد و پیمان کرتے ہیں، وہ عہد و پیمان قومی سلامتی اور امن عامہ کی خاطر ہوتے ہیں، وہ عہد و پیمان باہمی تجارت و لین دین کے لئے ہوتے ہیں، جب عہد وپیمان و معاہدات کئے جائیں تو اس کا پاس و لحاظ رکھنا چاہئے چاہے وہ معاہدات مسلمان سے کئے جائیں یا غیر مسلموں سے۔ جب عہد و پیمان کے باوجود چوری سے عہد کو توڑا جاتا ہے، تو آپس میں مخالفتیں بڑھ جاتی ہیں اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے اس حدیث مبارکہ کو اچھی طرح سمجھنے کو کش کریں۔ سیدنا مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے منقول ہے کہ

"إنهم اِصْطَلَحُوْا على وضع الحرب عشر سنين، يأمن فيهن الناس وعلى أن بيننا عيبة مكفوفة وأنه لااسلال ولا اغلال."

"قریش نے اس بات پر صلح کی کہ 10 سال تک کوئی جنگ نہیں ہوگی لوگ اس مدت میں پُر امن رہیں گے ، ہم دونوں فریقوں کے دل صاف رہیں گے، چوری چھپے یا خیانت سے اس کی مخالفت نہ ہوگی۔" (سنن ابو داوٗد: 2766)

داڑھی، اذان میں مخالفت، عاشرہ میں مخالفت، سحری میں یہود کی مخالفت

حق پرست گروہ کی مخالفت:

مخالفت یہ نہیں سوچتی کہ کیا حق ہے ؟اور کیا باطل ہے؟ کون حق پر ہے ؟اور کون باطل پر؟ مخالفت تو اندھی ہوتی ہے اسی اندھے پن میں انسان حق کی، اللہ کے احکام کی، کتاب وسنت کی، اللہ کے دین کی مخالفت کر بیٹھتا ہے، کیونکہ مخالفت کرنا اس کے دل و دماغ میں بسا رہتا ہے، کسی کو کسی کے نام سے ہی مخالفت رہتی ہے، کسی کو کسی انسان سے ہی مخالفت رہتی ہے، غیر اقوام کو مسلمان پسند نہیں آتے۔ اسی لئے وہ لفظ مسلم ہی سے نفرت کرتے ہیں اور مخالفت پر کاربند رہتے ہیں یہ ان کا وطیرہ ہے ہر نبی نے اسی مخالفت کا سامنا کیا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اسی طرح مسلمان ہوتے ہوئے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے مسلکی تعصب کے سبب مخالفت میں اندھا ہو چکا، اسی اندھے پن میں وہ کسی بھی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا، کبھی اللہ کی مسجدوں ہی کو منہدم کر بیٹھتا ہے، مدارس کو خاکستر کر دیتا ہے، حکام کے آگے چغلیاں کھاتا ہے، گالی گلوچ کرتا رہتا ہے۔

ہر دور میں حق گو گروہ کے ساتھ ایسی مخالفتیں اختیار کی جاتی رہیں گی اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا لیکن باطل کی یہ مخالفت حق گو گروہ کو کمزور و سرنگوں نہیں کر پائیگی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ

«لَايَزَالُ مِنْ أُمَّتِيْ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، وَلَامَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ عَلَى ذٰالِكَ»

"میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت پر قائم رہے گا، انہیں ذلیل کرنے کی کوشش کرنے والے اور اسی طرح ان کی مخالفت کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ اسی حالت پر رہیں گے۔ عمیر نے بیان کیا کہ اس پر مالک بن یخامر نے کہا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ "ہمارے زمانے میں یہ لوگ (ملک) شام میں ہیں۔" سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دیکھو یہ مالک بن یخامر موجود ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے سنا کہ یہ لوگ شام کے ملک میں ہیں۔" (صحیح بخاری: 3641؛ سنن ابن ماجہ: 7، 10)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ

سیدنا حمید بن عبد الرحمن بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

«مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهُ فِيْ الدِّيْنِ، وَاِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِيْ، وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةٌ عَلَى أَمْرِ اللهِ لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ.»

" جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا تو اللہ ہی ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا، انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے۔" (صحیح بخاری: 71)

غیر اسلامی قیادت کی مخالفت

غیر اسلامی طرز پر قائم ہونے والی امارت کی مخالفت کرنا جائز ہے یعنی مسلمانوں کا امیر مجلس شوری کے مشورے سے مقرر ہو، خود ساختہ امیر، خود ساختہ امارت کی مخالفت کی جاسکتی ہے کیونکہ قیادت اللہ کی

امانت ہے جو لوگ مشورہ سے امیر بنائے جاتے ہیں اللہ ان کی نصرت و مدد کرتا ہے جو لوگ اسلامی تعلیمات کو فراموش کر کے بحیثیت امیر مسلط ہو جاتے ہیں اللہ ان سے ناراض ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دوران خطبہ فرمایا تھا:

"وَ إِنَّا: وَاللهِ مَا وَجَدْنَا فِيمَا حَضَرْنَا مِنْ أَمْرٍ أَقْوَى مِنْ مُبَايَعَةِ أَبِيْ بَكْرٍ، خَشِيْنَا إِنْ فَارَقْنَا القَوْمَ وَلَمْ تَكُنْ بَيْعَةٌ، أَنْ يُبَايِعُوْا رَجُلاً مِنْهُمْ بَعْدَنَا، فَأَمَّا بَايَعْنَاهُمْ عَلَى مَا لَانَرْضَى، وَ إِمَّا نُخَالِفُهُمْ فَيَكُوْنُ فَسَادٌ، فَمَنْ بَايَعَ رَجُلاً عَلَى غَيْرِ مَشْوَرَةٍ مِنَ المُسْلِمِيْنَ، فَلَايُتَابَعُ هُوَ وَلَا الّذِيْ بَايَعَهُ تَغِرَّةً أَنْ يُقْتَلَا."

"سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے زیادہ کوئی چیز ضروری معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ہم کو ڈر پیدا ہوا کہیں ایسا نہ ہو ہم لوگوں سے جدا رہیں اور ابھی انہوں نے کسی سے بیعت نہ کی ہو وہ کسی اور شخص سے بیعت کر بیٹھیں جب دو صورتوں سے خالی نہیں ہوتا یا تو ہم بھی جبراً و قہراً اس سے بیعت لیتے یا لوگوں کی مخالفت کرتے تو آپس میں فساد پیدا ہوتا، دیکھو پھر یہی کہتا ہوں جس کسی شخص سے بن سوچے سمجھے، بن صلاح ومشورے بیعت کر لے تو دوسرے لوگ بیعت کرنے والے کی پیروی نہ کرے، نہ اس کی جس سے بیعت کی گئی ہے کیونکہ وہ دونوں ابھی جان گنوائیں گے۔" (صحیح بخاری: 6830)

مخالفت کرنے والوں کی مثال

مخالفت برائے مخالفت ہی ہوتی ہے جس میں اصلاح کا پہلو نہیں ہوتا، کیونکہ مخالفت اندھی ہوتی ہے جس میں ظلم، تشدد ساری چیزیں پنہاں رہتی ہیں۔ اسی لئے مخالفت کرنے والا نہ صرف اپنی ذات میں برا اور نقصان دہ ہوتا ہے بلکہ وہ قوم وملت کا بیڑہ بھی غرق کر دیتا ہے، اسے قوم وملت کی کوئی فکر نہیں رہتی وہ تو صرف اپنے ذاتی مفادات کے لئے جیتا ہے، وہ حکمتوں اور مصلحتوں اور دانشمندی سے مبرا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں اس کی ایک مثال دی گئی ہے کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَثَلُ القَائِمِ حُدُوْدِ اللهِ وَالمُدْهِنِ فِيْهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اِسْتَهَمُوْا عَلَى سَفِيْنَةٍ فِيْ البَحْرِ فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا، وَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الّذِيْنَ فِيْ أَسْفَلِهَا يَصْعَدُوْنَ فَيَسْتَقُوْنَ المَاءَ فَيَصُبُّوْنَ عَلَى الّذِيْنَ فِيْ أَعْلَاهَا، فَقَالَ الّذِيْنَ فِيْ أَعْلَاهَا: لَانَدْعُكُمْ تَصْعَدُوْنَ فَتُؤْذُوْنَنَا، فَقَالَ الّذِيْنَ فِيْ أَسْفَلِهَا: فَإِنَّا نَنْقُبُهَا مِنْ أَسْفَلِهَا فَنَسْتَقِيْ فَإِنْ أَخَذُوْا عَلَى أَيْدِيْهِمْ فَمَنَعُوْهُمْ نَجَوْا جَمِيْعًا، وَإِنْ تَرَكُوْاهُمْ غَرِقُوْاجَمِيْعًا.»

"اللہ کے حدود پر قائم رہنے والے (یعنی اس کے احکام کی پابندی کرنے والے) اور اس کی مخالفت کرنے والوں کی مثال اس قوم کی طرح ہے جو قرعہ اندازی کے ذریعہ ایک کشتی میں سوار ہوئی بعض لوگوں کو کشتی کے بالائی حصے میں جگہ ملی اور بعض لوگوں کو نچلے حصے میں، نچلے طبقے والے اوپر چڑھ کر پانی لیتے تھے تو بالائی طبقے والوں پر پانی گر جاتا تھا، لہٰذا بالائی حصے والوں نے کہا، ہم تمہیں اوپر نہیں چڑھنے دیں گے تاکہ ہمیں تکلیف پہنچاؤ، (یہ سن کر) نچلے حصے والوں نے کہا: ہم کشتی کے نیچے سوراخ کر کے پانی لیں گے، اب اگر بالائی طبقے والے ان کا ہاتھ پکڑ کر روکیں گے تو تمام نجات پا جائیں گے اور اگر انہیں ایسا کرنے سے منع نہیں کریں گے، تو تمام کے تمام ڈوب جائیں گے۔" (جامع ترمذی: 2173)

مخالفت کا ایک انداز

مخالفت کا ایک انداز یہ بھی ہے آدمی آزمائش کے لئے سوالات کرتا رہتا ہے وہ کوئی مسئلہ کسی عالم سے پوچھتا ہے اور مطمئن نہیں ہوتا پھر وہی سوال دوسرے عالم سے پوچھتا ہے اور اپنی زبان سے یہ کہتا بھی ہے کہ میں نے آپ سے قبل فلاں عالم سے یہ سوال کیا ہے۔ یہ انداز ایک دوسرے کی مخالفت کا جذبہ پیدا کرتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس انداز کو مخالفت پر محمول کیا ہے، جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا حارث بن عبد اللہ بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

" میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے سوال کیا کہ جو عورت قربانی والے دن طواف کر چکی ہو، تو پھر اسے حیض آ جائے تو کیا؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"چاہئے کہ اس کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہو۔"

یہ سن کر سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے بھی مجھ سے ایسے ہی فرمایا تھا۔ (ان کا یہ جواب سن کر) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أَرِبْتَ عَنْ يَدَيْكَ، سَأَلْتَنِيْ عَنْ شَيْءٍ سَأَلْتَ عَنْهُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَكَيْ مَا أُخَالِفَ.»

" تیرے ہاتھ گر جائیں، مجھ سے وہ بات پوچھتا ہے جو پہلے رسول اللہ ﷺ سے پوچھ چکا ہے تاکہ میں ان کی مخالفت کروں۔" (سنن ابو داود: 2004)

شاید ایسے ہی افراد کی وجہ سے ملت اسلامیہ کے علماء میں باہمی اختلاف و انتشار بپا ہے ایک عالم دوسرے عالم سے مطمئن نہیں، شہ نشین پر تمام علماء تو بیٹھتے ہیں لیکن ان کے قلوب منتشر ہوتے ہیں عوام میں وہ ایک دوسرے کی مخالفت اور چغلی کھاتے رہتے ہیں یہ فساد ایسے افراد کی دین ہے جو آزمائشی سوالات کر کے علماء میں باہمی تناؤ پیدا کرتے ہیں کہ آپ تو ایسے کہتے ہیں انہوں نے ایسے کہا۔ یہ مخالفتوں کا نرالا انداز ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پسند نہیں کیا۔

☆☆☆

حدیث اعمیٰ (نابینا)

سیدنا عثمان بن حنیف روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے ٹھیک کر دے!

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان شئت دعوت لك وإن شئتَ أخرتُ ذالك فهو خير

”کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے دعا کروں گا اور اگر چاہو تو میں سے مؤخر کر دوں کہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔“

اور ایک روایت میں ہے:

وَإِن شَئتَ صَبَرَت فهو خير لك

”اور اگر تو چاہے تو صبر کرے اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو گا۔“

تو اس نے کہا کہ نہیں! آپ دعاء کریں تو نبی ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ وضو کرے، پھر دو رکعت نماز ادا کرے اور پھر یہ دعائیہ کلمات کہے:

اللّٰهُمَّ إني أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة. يا محمدا إني توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه فتقضى لى "

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، تیرے نبی محمد، نبی رحمت (کے واسطے) سے! اے محمد! میں تیرے ساتھ اپنی اس حاجت کے بارے میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، تو میری حاجت پوری کر دے۔“

اللّٰهُمَّ فشفعة فى وشفعنى فيه

”اے اللہ! تو انہیں میرے لئے سفارشی بنادے اور مجھے ان کے بارے میں سفارشی بنادے۔“

اس نے پھر ایسا ہی کیا تو وہ شفایاب ہو گیا۔“ (احمد ترمذی، ابن ماجہ الحاکم)

توسل بالذات کے قائل اس واقعے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں لیکن اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ نابینا آدمی کا توسل اختیار کرنا نبی ﷺ کی ذات سے نہیں، بلکہ ان کی دعاء سے تھا۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے توسل بالذات کے قائلین کے فہم کو مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر غلط قرار دیا ہے:

1۔ نابینا آدمی نبی ﷺ کے پاس دعا کی درخواست لے کر آیا تھا:

(ادع الله أن يعا فينى)

”اور اس اعتقاد کے ساتھ کہ نبی ﷺ کی دعا کا مقبول ہونا کسی بھی دوسرے شخص کے مقابلے میں بہر صورت زیادہ امکان رکھتا ہے اور اگر اس کا مقصد ذات نبی ﷺ ہوتا تو وہ گھر میں بیٹھ کر بھی یہ دعا کر سکتا تھا کہ اے اللہ! نبی ﷺ کی جو قدر و منزلت تیرے نزدیک ہے، اس کے وسیلے سے میری بصارت مجھے واپس کر دے!

2۔ خود نبی ﷺ نے اس شخص سے صرف دعا کرنے کا ہی وعدہ کیا تھا۔ (ان شئت دعوتُ لكَ) اور پھر صبر کرنے کی بھی تلقین کی تھی کہ جس کا ذکر ایک حدیث قدسی میں یوں آیا ہے کہ جب میں اپنے بندے کو اس کی دو محبوب ترین چیزوں (یعنی آنکھوں) کے بارے میں آزمائش میں مبتلا کرتا ہوں، پھر وہ صبر کرتا ہے تو میں ان کے بدلے میں اسے جنت عطا کرتا ہوں۔ (بخاری بروایت انس)

3۔ نابینا شخص کا اصرار کرنا کہ نہیں میرے لئے دعا ہی کریں (فادع)

ظاہر ہے کہ نبی ﷺ نے یقینا دعا کی ہو گی کیونکہ آپ سے بڑھ کر وعدہ وفا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے، اور یہ بات بھی علم میں رہے کہ نبی ﷺ نے اس کی دعا قبول ہو جانے کی خاطر اسے جائز توسل کے دوسرے طریقے کی طرف بھی رہنمائی کر دی، یعنی ایک نیک عمل کے وسیلے سے دعا کرنا اور وہ یہ کہ وہ وضو کرے اور اس کے بعد دو رکعت نماز ادا کرے اور پھر اپنی اس حاجت کو اللہ کے حضور پیش کرے۔

اور یہاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ سارا واقعہ دعا کے ارد گرد ہی گھومتا ہے۔

اب یہاں اگر کوئی کہے کہ یہ ہدایت تو ایک عام ہدایت ہے اور ہر شخص یہ طریقہ اختیار کر سکتا ہے، تو ہم یہ کہیں گے کہ اس ہدایت کی عمومیت کا کوئی بھی منکر نہیں ہے لیکن یہ واقعہ نبی ﷺ کی حیات میں پیش آیا تھا، کیونکہ نبی ﷺ اپنی حیات ہی میں کسی کے لئے دعا کر سکتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد اب لوگوں کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے کہ نبی ﷺ سائل کے لئے دعا کر رہے ہیں یا نہیں اور اسی لئے صحابہ کرام بھی آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی دعا کا وسیلہ نہیں اختیار کرتے تھے۔

4۔ جو الفاظ نبی ﷺ نے نابینا شخص کو کہنے کے لئے سکھائے تھے یعنی (اللّٰهُمَّ فشفعه في) اے اللہ! انہیں میرے بارے میں سفارشی بنادے، انہیں کسی بھی صورت ذات نبی، جاہِ نہیں، یا حق نبی پر محمول

نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان الفاظ کا معنی ومطلب یہ ہے کہ اے اللہ! نبی ﷺ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما! یعنی وہ میری بصارت عود کر آنے کے بارے میں جو دعا کر رہے ہیں، اسے قبول فرما۔

شفاعت ہے کیا؟

لغوی اعتبار سے شفاعت کا مطلب بھی دعا کرنا ہے جو نبی ﷺ اور دوسرے انبیاء اور صالحین کے لئے بروز قیامت خاص کر دی گئی ہے، یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شفاعت دعا کے مقابلے میں خاص ہے، یعنی دعا تو کوئی بھی شخص انفرادی طور پر کر سکتا ہے لیکن شفاعت میں دو اشخاص کا ہونا ضروری ہے، دونوں ایک ہی مطالبہ کر رہے ہیں تو دونوں میں سے ہر شخص دوسرے کے لئے شفیع (سفارشی) بن جاتا ہے۔

اور اس وضاحت سے بھی معلوم ہو گیا کہ نابینا شخص کا وسیلہ اختیار کرنا ذات نبی کا نہیں بلکہ دعا نبی کا تھا۔

5۔ ذات نبی ﷺ توسل ثابت کرنے والے حضرات اس واقعہ کے ایک اہم جزو کو بھول جاتے ہیں اور وہ یہ کہ نبی ﷺ نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ (شفعني فيه) اور مجھے ان کے لئے سفارشی بنادے) جس کا مطلب یہ ہے کہ میری یہ دعا بھی قبول کر کے میرے بارے میں نبی ﷺ کی دعا قبول ہو۔" یعنی میری بصارت عود کر آئے۔

اور چونکہ اس فقرے سے قائلین توسل بالذات کی دلیل کے تار و پود بکھر جاتے ہیں، اس لئے وہ اس جملے کو سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے۔

6۔ اس حدیث کو نبی ﷺ کے معجزات میں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کیسے کیسے نبی ﷺ کی دعا سے مریضوں اور مختلف عوارض میں مبتلا لوگوں کو شفاء حاصل ہوتی رہی، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی کتاب 'دلائل النبوۃ' میں بھی ذکر کیا ہے، اور اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر توسل بالذات سے یوں شفا حاصل ہو جاتی تو دنیا میں ہزاروں ایسے نابینا افراد ہوں گے۔ جو اپنی بصارت کے عود کر آنے کے لئے نبی ﷺ کی ذات اور آپ کی جاہ و منزلت کا وسیلہ اختیار کرتے ہوئے دعا کرتے رہے ہوں گے بلکہ اپنی دعا میں کتنے ہی نبیوں اور اولیاء کی جاہ و منزلت کا بھی ذکر کرتے رہے ہوں گے تو پھر آپ ﷺ کی وفات سے لے کر اب تک کیا ایسے لوگوں کو شفاء حاصل ہوتی رہی ہے؟ ایسے واقعات، اگر ہوئے ہوتے تو کثرت سے منقول ہوتے!!

ایک آخری بات اور عرض کرتے چلیں کہ امام احمد اور شیخ العز بن عبد السلام کے قول کے مطابق اگر نابینا شخص کے اس واقعہ کو توسل بالذات پر بھی محمول کر لیا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے یعنی اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، یعنی نبی ﷺ کی جہاں دوسری خاص فضیلتیں ہیں کہ جو دوسرے انبیاء اور مرسلین کو حاصل نہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو نابینا شخص سے متعلق ہے اور جب بات خصوصیات کی ہو تو اس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے۔

شیخ البانی نے اپنی کتاب 'التوسل' میں ان 6 وجوہات کے بعد وہ سات ضعیف احادیث اور چند آثار بھی پیش کئے ہیں جو توسل بالذات کے قائلین پیش کرتے ہیں، شیخ نے ان احادیث اور آثار کی اسنادی حیثیت پر بھرپور کلام کیا ہے اور جو حضرات مزید تحقیق کے طالب ہوں، وہ اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔

☆☆☆

مقام شوق فاطمہ بتولؓ

بانوئے بوتراب و جگر گوشۂ رسولؐ
ہیں میر کاروانِ زناں فاطمہؓ بتول
تن سے کسی کو پیار کسی کو ہے من عزیز
مجھ کو عزیز میرا خدا اور مرا رسولؐ
وہ زندگی ہو قابل صد رشک کس طرح؟
مقصد ہے جس کا کوئی نہ جس کا کوئی اصول
حالِ تباہ امتِ مرحوم دیکھ کر
ہے میرا دل فسردہ و رنجیدہ وملول
آگے ہے عر وسدرہ سے اس کا مقامِ شوق
دنیائے دوں ہے پائے مسلماں کی گرد، دھول
ہیں خار ہائے رنج ومصیبت بھی بے شمار
گلزارِ زندگی میں نہیں عیش ہی کے پھول
گُل چیں ہی باغباں ہو تو پھر اس کی فکر کیا
کھلتے ہیں پھول، باغ میں اُگتے ہیں یا ببول
شاداں ہو جس پر دل جسے رحمت نصیب ہو
وہ پھول بھی ہے کتنا حسین وجمیل پھول
اخلاص کی متاعِ گراں مایہ جب نہ ہو
گفتار بھی عبث ہے، تو کردار بھی فضول
ارضِ وطن میں بھی وہ غریب الدیا رہے
حماد کو پسند ہے یوں گوشۂ خُمول

ابوالبیان حماد عمری

درود شریف: بھلائی کا دروازہ

امام ابن الجوزي رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عباد الله تعاهدوا الصّلاة على حبيبنا محمد ﷺ، لأنّ الله تعالى إذا أراد بعبده خيرًا، يسر لسانه للصّلاة على محمد ﷺ."

"اللہ کے بندوں حبیبِ الٰہی سیدنا محمد ﷺ پر درود بھیجنے کو لازم پکڑو، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی زبان پر محمد ﷺ پر درود کو جاری وساری کر دیتا ہے۔"

(بُستان الوَاعظین:1/300)

اللہ کے راستے کے مجاہد کے گدھے کو مرنے کے بعد زندہ کردیا گیا

سیدنا ابو سبرہ نخعی روایت کرتے ہیں کہ یمن سے ایک آدمی آیا، جب وہ راستے میں تھا تو اس کا گدھا مر گیا، وہ آدمی اٹھا اور وضو کیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی، پھر اس نے کہا: "اے اللہ! میں الوثنیہ تیرے راستے میں مجاہد کی حیثیت سے اور تیری رضا کے لیے آیا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو مردوں کو زندہ کرتا ہے اور قبروں سے اٹھاتا ہے، آج کا دن مجھے کسی کا احسان لینے والا مت بنا، میں یہ چاہتا ہوں کہ تو میرے گدھے کو کھڑا کر دے۔ چنانچہ گدھا اپنے کانوں کو ہلاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ (اس کی سند صحیح ہے۔ (دلائل النبوۃ: 98/6)

ایک مہاجرہ جس کی دعا سے اللہ تعالی نے اُس کے بیٹے کو زندہ کر دیا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے ایک نوجوان انصاری کی عیادت کی اور اس کے پاس اس کی نابینا ماں بھی تھی، سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم وہیں تھے کہ وہ نوجوان مر گیا اور ہم نے اس کے چہرے پر کپڑا ڈال دیا اور اس کی ماں سے کہا کہ اس مصیبت پر اللہ سے اجر کی امید رکھو، اس کی ماں نے کہا کہ میرا بیٹا مر گیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ ماں نے کہا کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف ہجرت کی ہے، تاکہ ہر مصیبت کے وقت تو میری مدد کرے، آج یہ مصیبت میرے اوپر مت ڈال، سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا وہ وہیں تھی کہ اس نوجوان نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا اور اس نے کھانا کھایا اور ہم نے بھی اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ (البدایہ: 6/154، 292)

ایک آدمی کی بصارت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کرنے سے چلی گئی

سیدنا ابو رجاء العطاردی بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت میں سے کسی کو گالی مت دو، کیونکہ ہمارا ایک پڑوسی بلہجیم نے کہا کہ کیا تم اس فاسق حسین بن علی کو نہیں دیکھتے ہو، اللہ اسے ہلاک کرے؟ اللہ نے اسے دو ستاروں سے اس کی آنکھوں کو مارا اور اللہ نے اس کی بینائی کو مسخ کر دیا۔ (طبرانی: 2830/3)

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا عبد اللہ بن عمرو کی کرامت

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میرے والد گرامی شہید ہو گئے تو میں رونے لگا اور ان کے چہرے سے کپڑا ہٹانا چاہا تو نبی ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مجھے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن نبی ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

"اس پر مت روؤ، یا فرمایا: کیوں روتے ہو؟ فرشتے برابر ان کی لاش پر اپنے پروں کا سایہ کیے ہوئے تھے، یہاں تک کہ انہیں اٹھا لیا گیا۔" (صحیح بخاری: 4080، صحیح مسلم: 130)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بد دعا سے ایک شخص کی بینائی کا ختم ہو جانا

سیدنا زاذان روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی، جسے ایک شخص نے جھٹلایا، اس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تجھ پر بد دعا کرتا ہوں، اگر تو جھوٹا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ بد دعا کیجیے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بد دعا کی اور اس شخص کی بینائی چلی گئی۔ (مجمع الزوائد: 116/9)

جنگ حنین میں فرشتوں کا صحابہ کی مدد کرنا

سیدنا عوف بن عبد الرحمٰن جو ام بُرثن کے غلام تھے جو جنگ حنین میں کفر کی حالت میں شریک تھے، انہوں نے کہا کہ جب ہم اور اللہ کے رسول ﷺ کا آمنا سامنا ہوا، تھوڑی ہی دیر میں ہم اپنی تلواریں رسول اللہ ﷺ کے سامنے لہرانے لگے، یہاں تک ہم نے جب آپ ﷺ کو گھیر لیا تو ہمارے اور ان کے درمیان خوبصورت مرد تھے، انہوں نے کہا کہ چہرے سیاہ ہو جائیں گے لوٹ جاؤ، بس ہم نے ان کی اسی بات سے شکست کھا گئے۔ (البدایہ: 334/4)

دشمن صحابی جہجاہ غفاری کا انجام

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ منبر پر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، اسی دوران میں جہجاہ غفاری آیا اور اس نے آپ کے ہاتھ سے عصا چھین کر آپ کے گھٹنے پر اتنی زور سے مارا کہ وہ عصا ٹوٹ گیا اور گھٹنا شدید زخمی ہو گیا، اس وقعہ کو ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ اللہ نے جہجاہ کے اس ہاتھ پر ایک زخم پیدا کر دیا اور وہ زخم اس قدر شدید تھا کہ اُس سے اس کی جان چلی گئی۔ (دلائل النبوۃ: ص 221)

☆☆☆

جشن ولادت یا مشن رسالت

ابوضیاء تنزیل عابد

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (سورۃ آل عمران:164)

نبی کریم ﷺ کی پہچان دو طرح سے ہے ، نبی کریم ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں:

نبی ﷺ کی پہلی پہچان اور حیثیت "محمد بن عبد اللہ" کی ہے ، کہ آپ ﷺ عبد اللہ کے بیٹے ، آمنہ کے لختِ جگر، سردار عبد المطلب کے پوتے اور سردار ابو طالب کے بھتیجے ہیں۔

نبی ﷺ کی دوسری پہچان اور حیثیت "محمد رسول اللہ" کی ہے ، کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں ، آپ ﷺ کا مقام ، مرتبہ اور شان تمام رسولوں سے زیادہ ہے اور آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔

یہ بات یاد رکھئے گا کہ پہلی حیثیت سے نبی ﷺ کو ہر کوئی مانتا ہے ، اپنے بھی مانتے ہیں ، پرائے بھی مانتے ہیں ، حتیٰ کہ مکہ کے مشرک بھی اس حیثیت سے نبی ﷺ کو مانتے تھے ، آپ ﷺ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا ، لیکن مشرکینِ مکہ نبی ﷺ کو رسول اللہ کی حیثیت سے نہیں مانتے تھے ، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

لَمَّا نَزَلَتْ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ وَرَهْطَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى صَعِدَ الصَّفَا فَهَتَفَ يَا صَبَاحَاهْ فَقَالُوا مَنْ هَذَا فَاجْتَمَعُوا إِلَيْهِ فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هَذَا الْجَبَلِ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوا مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ قَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ مَا جَمَعْتَنَا إِلَّا لِهَذَا ثُمَّ قَامَ فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ وَقَدْ تَبَّ

جب یہ آیت نازل ہوئی۔" آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے اور اپنے گروہ کے ان لوگوں کو ڈرایئے جو مخلصین ہیں ۔"

تو رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور پکارا" یاصباحاہ' ' قریش نے کہا یہ کون ہے! پھر وہاں سب آ کر جمع ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تمہیں بتاؤں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے پیچھے سے آنے والا ہے، تو کیا تم مجھ کو سچا نہیں سمجھو گے ؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں جھوٹ کا آپ سے تجربہ کبھی بھی نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے آرہاہے۔ یہ سن کر ابو لہب بولا تو تباہ ہو۔ کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا؟ پھر آنحضرت ﷺ وہاں سے چلے آئے اور آپ پر یہ سورت نازل ہوئی۔

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ....﴾

یعنی دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے ابو لہب کے اور وہ برباد ہو گیا۔(صحیح بخاری 164)

پتہ چلا کہ جس طرح نبی ﷺ کو پہلی حیثیت سے ماننا ضروری ہے ، اس سے بھی زیادہ یہ ضروری ہے کہ نبی ﷺ کو دوسری حیثیت سے مانا اور تسلیم کیا جائے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ کی ولادت کا جشن منانے کی بجائے نبی ﷺ کے مشن پر توجہ کرنی چاہئے کہ نبی ﷺ کا مشن کیا تھا؟

آج کے خطبہ جمعہ میں ہم اللہ کے فضل و کرم اس بات کو سمجھیں گے کہ نبی ﷺ کا مشن کیا تھا؟ نبی ﷺ کے مشن میں کیا کیا باتیں شامل تھیں؟ تاکہ ان پر عمل پیرا ہو کر ہم نبی ﷺ کے حقیقی محب بن سکیں۔

1۔ عقیدہ توحید کا احیاء:

نبی اکرم ﷺ کا پہلا بڑا اور بنیادی مشن یہ تھا کہ عقیدہ توحید کا احیاء اور نفاذ ہو ، یہ ہر نبی کا مشن اور مقصد تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾

"اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری عبادت کرو۔" (سورۃ الانبیاء: 25)

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

"اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔" (سورۃ النحل:36)

اس لئے نبی ﷺ نے بھی لوگوں کو عقیدہ توحید کی طرف دعوت دی، نبی ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل کو یمن روانہ کیا تو فرمایا:

إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ

إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ

”تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، انہیں اس کی گواہی دینے کی دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ اس میں (تمہاری) اطاعت کریں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اسے مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ (زکاۃ) فرض کیا ہے جو ان کے مالدار لوگوں سے لیا جائے گا اور ان کے محتاجوں کو واپس کیا جائے گا، پھر اگر وہ اس بات کو قبول کر لیں تو ان کے بہترین مالوں سے احتراز کرنا (زکاۃ میں سب سے اچھا مال وصول نہ کرنا) اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس (بددعا) کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔“ (صحیح مسلم:121)

2۔ اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت کا قیام:

جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا دوسرا بڑا اور بنیادی مشن یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم ہو، اللہ کی دھرتی پر اللہ کا قانون نافذ ہو، کرہ ارض پر اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کا نفاذ ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾

”وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے، خواہ مشرک لوگ برا جانیں۔“ (سورۃ التوبہ:33)

اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم ہے کہ زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کا حکم چلے، اسی لئے یوسف نے فرمایا تھا:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (سورۃ یوسف: 40)

”حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت مت کرو، یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

اس آیت کے تحت مفسر قرآن الشیخ عبد السلام بھٹوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ یوسف کی یہ تقریر ملت ابراہیم، یعنی اسلام کی بہترین مختصر ترجمانی ہے۔“

قرآن کے ایک اور مقام پر اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

”اور ان سے لڑو، یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے۔“ (سورۃ الانفال:39)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»

”مجھے (اللہ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں اس وقت تک کہ وہ اس بات کا اقرار کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دیں، جس وقت وہ یہ کرنے لگیں گے تو مجھ سے اپنے جان و مال کو محفوظ کر لیں گے، سوائے اسلام کے حق کے۔ (رہا ان کے دل کا حال تو) ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔“ (صحیح بخاری: 25)

اسی لئے نبی معظم ﷺ کے صحابہ نے بھی اسی حاکمیت کی خاطر جہاد کیا اور اسی حاکمیت کی خاطر بڑے بڑے بادشاہوں سے ٹکر لی، معرکہ قادسیہ کے موقع پر رستم نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو پیغام بھیجا کہ اپنا قاصد بھیجیں جس کے ساتھ مَیں جنگ شروع کرنے سے قبل مذاکرات کر سکوں۔ انھوں نے مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا، جنھوں نے رستم سے کہا: ”ہمیں دنیا کی کوئی طلب نہیں ہے، ہمارا مطلوب و مقصود تو صرف آخرت کی خوشگوار زندگی ہے۔“

ان کے بعد حضرت سعد نے دوسرے قاصد کے طور پر ربعی بن عامر کو بھیجا، وہ رستم کے پاس اس وقت پہنچے، جب اس کے دربار کو سونے اور ریشمی کپڑے سے خوب سجایا جا چکا تھا اور بڑے قیمتی لعل و یاقوت ظاہر کر رکھے تھے۔ رستم سونے کے تخت پر بیٹھا تھا، ربعی معمولی سا لباس پہنے، ہاتھ میں تلوار اور ڈھال لیے چھوٹے سے قد کے گھوڑے پر سوار رستم کے پاس پہنچے، وہ اس وقت تک گھوڑے پر سوار رہے جب تک گھوڑے نے ان کے قیمتی قالینوں کو اپنے پاؤں تلے روند نہ ڈالا، پھر وہ گھوڑے سے اترے اور اسے ان کے ایک گاؤ تکیے کے ساتھ باندھ دیا، پھر رستم کی طرف بڑھے، جبکہ حضرت ربعی وہ زرہ پہنے اور اپنا اسلحہ لیے ہوئے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ اپنا اسلحہ نیچے رکھ دو، انھوں نے کہا: میں تمہارے پاس اپنی مرضی سے نہیں آیا ہوں بلکہ میں تو تمہارے

بلانے پر آیا ہوں، اگر مجھے اسی طرح رہنے دو تو ٹھیک ہے ورنہ میں یہیں سے واپس لوٹ جاتا ہوں۔ رستم نے یہ بات سن کر کہا کہ اسے آنے دو، وہ اپنے نیزے پر ٹیک لگائے آگے بڑھتے گئے حتی کہ انھوں نے ان کے اکثر قالینوں میں نیزے کی نوک سے سوراخ کر دیے۔ انھوں نے حضرت ربعی سے کہا: تم لوگ کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا:

اللّٰهُ ابْتَعَثْنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ اللهِ، وَمِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا إِلَى سِعَتِهَا، وَمِنْ جَوْرِ الْأَدْيَانِ إِلَى عَدْلِ الْإِسْلَامِ، فَأَرْسَلَنَا بِدِينِهِ إِلَى خَلْقِهِ لِنَدْعُوَهُمْ إِلَيْهِ، فَمَنْ قَبِلَ ذَلِكَ قَبِلْنَا مِنْهُ وَرَجَعْنَا عَنْهُ، وَمَنْ أَبَى قَاتَلْنَاهُ أَبَدًا حَتَّى نُفْضِيَ إِلَى مَوْعُودِ اللهِ.

”ہمیں اللہ نے بھیجا ہے، تاکہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی کرنے والے بنائیں، انہیں دنیا کی تنگی وترشی سے نکال کر آسایش و کشایش مہیا کریں اور مختلف ادیان کے ظلم وجور سے نجات دلا کر انہیں اسلام کے عدل و انصاف تک لائیں، اس نے ہمیں اپنے دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ ہم لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں، جس نے ہم سے یہ دین قبول کر لیا ہم اسے قبول کر لیں گے اور ہم وہاں سے واپس لوٹ جائیں گے، اور اگر کسی نے یہ دین قبول کرنے سے انکار کیا تو ہم اس کے ساتھ جہاد کریں گے، یہاں تک کہ ہم اللہ کے وعدے تک پہنچ جائیں۔“

انھوں نے کہا کہ اللہ کا وعدہ کیا ہے؟ حضرت ربعی نے فرمایا:

الْجَنَّةُ لِمَنْ مَاتَ عَلَى قِتَالِ مَنْ أَبَى، وَالظَّفَرُ لِمَنْ بَقِيَ.

”جو منکرین سے لڑتے ہوئے شہید ہو جائے، اس کے لیے جنت اور جو زندہ بچ جائے اس غازی کے لیے ظفر و کامیابی۔“ (البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر: 39/7)

3۔ حصولِ جنت کا شوق پیدا کرنا:

نبی رحمت ﷺ کا دوسرا مشن یہ تھا کہ لوگوں میں جنت کے حصول کا شوق پیدا ہو اور جہنم سے بچنے کی فکر پیدا ہو، اسی لئے آقائے رحمت چاہتے تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾

”شاید تو اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا ہے، اس لیے کہ وہ مومن نہیں ہوتے۔“ (سورۃ الشعراء: 3)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آقا نے فرمایا:

إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ أُمَّتِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَجَعَلَتِ الدَّوَابُّ وَالْفَرَاشُ يَقَعْنَ فِيهِ، فَأَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُونَ فِيهِ

”میری اور میری امت کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی تو حشرات الارض اور پتنگے اس آگ میں گرنے لگے۔ تو میں تم کو کمر سے پکڑ کر روکنے والا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے جا رہے ہو۔“ (صحیح مسلم: 5955)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ما بَقِيَ شيءٌ يُقَرِّبُ من الجنّةِ ويباعدُ من النّارِ إلا وقد بُيِّنَ لكم»

”کوئی ایسا عمل باقی نہیں رہا، جو جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرتا ہے، مگر تمہارے لیے اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔“ (سلسلہ صحیحہ: 386)

جنگ بدر میں جب مشرکین مکہ اسلام اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے تو رسول اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

«قُومُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ»

”جنت کی طرف اُٹھ کھڑے ہو جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہیں۔“

یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ ، جَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ؟

اے اللہ کے رسول! کیا (شہادت کے عوض) آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کے برابر جنت ہے؟

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نعم ”ہاں۔“

حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کہنے لگے: بَخ بَخ۔ رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا؛

مَا يَحْمِلُكَ عَلَى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ؟ "

”بخ بخ کہنے پر تجھے کس نے ابھارا؟“

حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا؛

لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، إِلَّا رَجَاءَةَ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِهَا

”اے اللہ کے رسول! قسم اللہ کی میں نے یہ جنت کی اُمید میں کہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

« فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا»

”تم جنت والوں میں سے ہو۔“

اس کے بعد حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ اپنے ترکش سے کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر شوق شہادت میں کہنے لگے:

لَئِنْ أَنَا حَيِيتُ حَتَّى آكُلَ تَمَرَاتِي هَذِهِ إِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيلَةٌ

”اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہوں تو یہ بڑی ہی طویل زندگی ہو جائے گی۔“

چنانچہ انہوں نے بقیہ ساری کھجوریں پھینک دیں اور آگے بڑھ کر مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (صحیح مسلم: 4915)

عطاء بن ابی رباح نے بیان کیا کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

أَلَا أُرِيكَ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: هَذِهِ المَرْأَةُ السَّوْدَاءُ، أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: إِنِّي أُصْرَعُ، وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللَّهَ لِي، قَالَ: «إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَكِ» فَقَالَتْ: أَصْبِرُ، فَقَالَتْ: إِنِّي أَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللَّهَ لِي أَنْ لاَ أَتَكَشَّفَ، فَدَعَا لَهَا

"تمہیں میں ایک جنتی عورت کو نہ دکھا دوں؟ میں نے عرض کیا کہ ضرور دکھائیں، کہا کہ ایک سیاہ عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ مجھے مرگی آتی ہے اور اس کی وجہ سے میرا ستر کھل جاتا ہے۔ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تو چاہے تو صبر کر تجھے جنت ملے گی اور اگر چاہے تو میں تیرے لیے اللہ سے اس مرض سے نجات کی دعا کر دوں۔ اس نے عرض کیا کہ میں صبر کروں گی پھر اس نے عرض کیا کہ مرگی کے وقت میرا ستر کھل جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کر دیں کہ ستر نہ کھلا کرے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔" (صحیح بخاری: 5652)

4۔ عدل وانصاف کا قیام:

نبی مکرم ﷺ کا تیسرا مشن عدل و انصاف کا قیام تھا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عدل و انصاف کا حکم دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾

"بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تمھیں یہ بہت ہی اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔" (سورۃ النساء:58)

دوسرے مقام پر اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

"بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے، وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔" (سورۃ النحل:90)

تیسرے مقام پر اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے، اللہ کے لیے شہادت دینے والے بن جاؤ، خواہ تمھاری ذاتوں یا والدین اور زیادہ قرابت والوں کے خلاف ہو، اگر کوئی غنی ہے یا فقیر تو اللہ ان دونوں پر زیادہ حق رکھنے والا ہے۔ پس اس میں خواہش کی پیروی نہ کرو کہ عدل کرو اور اگر تم زبان کو پیچ دو، یا پہلو بچاؤ تو بے شک اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، ہمیشہ سے پوری طرح باخبر ہے۔" (سورۃ النساء: 135)

آقائے کائنات ﷺ نے ہمیں اس کی تعلیم عملی طور پر دی ہے، سیدنا عروہ بن زبیر کہتے ہیں:

أَنَّ امْرَأَةً سَرَقَتْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ الفَتْحِ، فَفَزِعَ قَوْمُهَا إِلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ يَسْتَشْفِعُونَهُ، قَالَ عُرْوَةُ: فَلَمَّا كَلَّمَهُ أُسَامَةُ فِيهَا، تَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: «أَتُكَلِّمُنِي فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ»، قَالَ أُسَامَةُ: اسْتَغْفِرْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ، فَلَمَّا كَانَ العَشِيُّ قَامَ رَسُولُ اللهِ خَطِيبًا، فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ النَّاسَ قَبْلَكُمْ: أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا ثُمَّ أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِتِلْكَ المَرْأَةِ فَقُطِعَتْ يَدُهَا، فَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا بَعْدَ ذَلِكَ وَتَزَوَّجَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ: «فَكَانَتْ تَأْتِي بَعْدَ ذَلِكَ فَأَرْفَعُ حَاجَتَهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ»

"غزوہ فتح (مکہ) کے موقع پر ایک عورت نے نبی کریم ﷺ کے عہد میں چوری کر لی تھی۔ اس عورت کی قوم گھبرائی ہوئی اسامہ بن زید کے پاس آئی تاکہ وہ حضور ﷺ سے اس کی سفارش کر دیں (کہ اس کا ہاتھ چوری کے جرم میں نہ کاٹا جائے) عروہ نے بیان کیا کہ جب اسامہ نے اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے گفتگو کی تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا! تم مجھ سے اللہ کی قائم کی ہوئی ایک حد کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہو۔ اسامہ نے عرض کیا، میرے لیے دعائے مغفرت کیجئے، یا رسول اللہ! پھر دوپہر کے بعد نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو خطاب کیا، اللہ تعالیٰ کی اس کے شان کے مطابق تعریف کرنے کے بعد فرمایا: اما

بعد! تم میں سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ اگر ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن اگر کوئی کمزور چوری کرلیتا تو اس پر حد قائم کرتے اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرلے تو میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے اس عورت کے لیے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پھر اس عورت نے صدق دل سے توبہ کرلی اور شادی بھی کرلی۔ حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ بعد میں وہ میرے یہاں آتی تھیں۔ ان کو اور کوئی ضرورت ہوتی تو میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کر دیتی۔" [صحیح بخاری: 4304]

5۔ اتفاق و اتحاد پیدا کرنا:

نبی اکرم ﷺ کا پانچواں مشن یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر بسنے والے لوگوں کے درمیان اتفاق و اتحاد قائم ہو جائے، یہ مل جل کر زندگی بسر کریں، یہ نبی ﷺ کی بعثت کے بعد ہی ہوا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾

"اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔" (سورۃ آل عمران:103)

اس اتفاق و اتحاد کو نعمت کیوں کہا؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے:

﴿وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾

"اور ان کے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی، اگر تو زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتا ان کے دلوں کے درمیان الفت نہ ڈالتا اور لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔ بے شک وہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔" (سورۃ الانفال:63)

حنین کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمْ اللَّهُ بِي وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمْ اللَّهُ بِي وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمْ اللَّهُ بِي كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمَنُّ

"اے انصاریو! کیا میں نے تمھیں گمراہ نہیں پایا تھا پھر تم کو میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب کی اور تم میں آپس میں دشمنی اور نااتفاقی تھی تو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم میں باہم الفت پیدا کی اور تم محتاج تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ غنی کیا۔ آپ کے ایک ایک جملے پر انصار کہتے جاتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ہم سب سے زیادہ احسان مند ہیں۔" (صحیح بخاری: 4330)

آقا اور آپ کے صحابہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو نبی ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا ہے کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کروایا ہے، جسے 'مؤاخاتِ مدینہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے کیسے اتفاق و اتحاد پیدا کیا۔۔۔؟ اس کی صرف ایک مثال پیش خدمت ہے:

مؤاخاتِ مدینہ کے موقع پر نبی ﷺ نے مہاجر صحابی سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سیدنا سعد بن ربیع کا بھائی بنایا تو سعد نے عبد الرحمن بن عوف سے کہا؛

إِنِّي أَكْثَرُ الْأَنْصَارِ مَالًا فَأَقْسِمُ مَالِي نِصْفَيْنِ وَلِي امْرَأَتَانِ فَانْظُرْ أَعْجَبَهُمَا إِلَيْكَ فَسَمِّهَا لِي أُطَلِّقْهَا فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا قَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ أَيْنَ سُوقُكُمْ فَدَلُّوهُ عَلَى سُوقِ بَنِي قَيْنُقَاعَ فَمَا انْقَلَبَ إِلَّا وَمَعَهُ فَضْلٌ مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ ثُمَّ تَابَعَ الْغُدُوَّ ثُمَّ جَاءَ يَوْمًا وَبِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَهْيَمْ قَالَ تَزَوَّجْتُ قَالَ كَمْ سُقْتَ إِلَيْهَا قَالَ نَوَاةً مِنْ ذَهَبٍ أَوْ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ

"میں انصار میں سب سے زیادہ دولت مند ہوں اس لیے آپ میرا آدھا مال لے لیں۔ اور میری دو بیویاں ہیں، آپ انہیں دیکھ لیں جو آپ کو پسند ہو اس کے متعلق مجھے بتائیں میں اسے طلاق دے دوں گا۔ عدت گزرنے کے بعد آپ اس سے نکاح کرلیں، اس پر عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تمہارے اہل اور مال میں برکت عطا فرمائے تمہارا بازار کدھر ہے؟ چنانچہ میں نے بنی قینقاع کا بازار انہیں بتا دیا، جب وہاں سے کچھ تجارت کر کے لوٹے تو ان کے ساتھ کچھ پنیر اور گھی تھا پھر وہ اسی طرح روزانہ صبح سویرے بازار میں چلے جاتے اور تجارت کرتے آخر ایک دن خدمت نبوی میں آئے تو ان کے جسم پر (خوشبو کی) زردی کا نشان تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے شادی کرلی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مہر کتنا ادا کیا ہے؟ عرض کیا کہ سونے کی ایک گٹھلی یا (یہ کہا کہ) ایک گٹھلی کے پانچ درم وزن برابر سونا ادا کیا ہے۔" (صحیح بخاری: 3780)

6۔ تکمیل مکارم اخلاق:

مرشدِ کامل ﷺ کا چھٹا مشن مکارمِ اخلاق کی تکمیل تھا، مکارمِ اخلاق کا مطلب ہے اعلیٰ اور عمدہ اخلاقی صفات۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو انسان کو اخلاقی طور پر بلند اور دوسروں کے لیے قابلِ احترام بناتی ہیں۔ ان میں سچائی، دیانتداری، انصاف، رحم دلی، اور دوسروں کی مدد شامل ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخلَاقِ.»

”مجھے تو صرف اس (مقصد) کے لیے مبعوث کیا گیا کہ اخلاقی اقدار کی تکمیل کر سکوں۔“ (سلسلہ صحیحہ: 2399)

آقا کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾

”اور بلاشبہ یقیناً تو ایک بڑے خلق پر ہے۔“ (سورۃ القلم:4)

پتہ چلا کہ نبی ﷺ کا ایک اہم ترین مشن یہ تھا کہ اخلاقی اقدار کی تکمیل ہو، نبی نے اس کو عملی طور پر کر کے بھی دکھایا، اس کی چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی ’جس کا نام زاہر تھا‘ دیہات سے آتے ہوئے نبی ﷺ کے لئے کوئی نہ کوئی ہدیہ لے کر آتا تھا اور جب واپس جانے لگتا تو نبی ﷺ اسے بہت کچھ دے کر رخصت فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ

" إِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوهُ "

”زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم اس کا شہر ہیں۔“

نبی ﷺ اس سے محبت فرماتے تھے گو وہ رنگت کے اعتبار سے قابلِ صورت نہ تھا۔ ایک دن زاہر اپنے سامان کے پاس کھڑے اسے بیچ رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ پیچھے سے آئے اور انہیں لپٹ کر ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے، وہ کہنے لگے کہ کون ہے، مجھے چھوڑ دو، انہوں نے ذرا غور کیا تو نبی ﷺ کو پہچان گئے اور اپنی پشت نبی ﷺ کے سینے کے اور قریب کرنے لگے، نبی ﷺ آواز لگانے لگے کہ

" مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ ؟ "

”اس غلام کو کون خریدے گا؟“ انہوں نے عرض کیا:

"يَا رَسُولَ اللهِ، إِذَنْ وَاللهِ تَجِدُنِي كَاسِدًا "

”اے اللہ کے رسول ﷺ آپ مجھے کھوٹا سکہ پائیں گے۔“ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَكِنْ عِنْدَ اللهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ " أَوْ قَالَ : "لَكِنْ عِنْدَ اللهِ أَنْتَ غَالٍ. »

”لیکن تم اللہ کے نزدیک کھوٹا سکہ نہیں ہو، بلکہ تمہاری بڑی قیمت ہے۔“ (مسند احمد: 12648 صحیح)

نبی مکرم ﷺ پہلی وحی کے وقت جب گھبرائے ہوئے گھر آئے تو سیدہ خدیجہ سے کہا:

لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي "

”مجھ کو اب اپنی جان کا خوف ہو گیا ہے۔“

تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ "

”اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رنجیدہ نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں، محتاجوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب میں مدد کرتے ہیں۔“ (صحیح بخاری: 3)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الحَاشِيَةِ، فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَذَبَهُ جَذْبَةً شَدِيدَةً، حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عَاتِقِ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ أَثَّرَتْ بِهِ حَاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهِ، ثُمَّ قَالَ: مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللهِ الَّذِي عِنْدَكَ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ

”میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ پر موٹے کنارے والی نجرانی چادر تھی، اتنے میں ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر کے ساتھ آپ کو اتنے زور سے کھینچا کہ نبی ﷺ اس اعرابی کے سینے کے قریب پہنچ گئے، میں نے رسول اللہ ﷺ کے کندھے پر دیکھا تو زور سے کھینچنے کی وجہ سے چادر کے کنارے کے نشانات کندھے مبارک پر پڑ چکے تھے، پھر اس نے کہا محمد اللہ کا مال جو آپ کے پاس ہے اس میں سے میرے لیے بھی حکم فرمائیے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس دیے، پھر اسے کچھ دینے کا حکم فرمایا۔“ (صحیح بخاری: 3149)

7۔ بے حیائی کا خاتمہ:

نبی رحمت ﷺ کا ساتواں مشن معاشرے سے بے حیائی، فحاشی اور عریانی کا خاتمہ کرنا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

”بلاشبہ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب اس نے ان میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا اور انھیں پاک کرتا اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔“ (سورۃ آل عمران: 164)

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ آقا کا ایک مشن تزکیہ نفس تھا، کہ لوگوں کو فحاشی، عریانی اور بے حیائی سے

بچا کر پاکدامنی کی زندگی گزارنے کی تعلیم دینا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾

"مومن مردوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔" (سورۃ النور:30)

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾(سورۃ بنی اسرائیل: 32)

"اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔"

آقا نے تزکیہ نفس کیسے کیا۔۔۔؟، چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

☆سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مرثد بن مرثد نامی صحابی وہ ایسے (جی دار وبہادر شخص تھے جو (مسلمان) قیدیوں کو مکہ سے نکال کر مدینہ لے آیا کرتے تھے، اور مکہ میں عناق نامی ایک زانیہ، بدکار عورت تھی، وہ عورت اس صحابی کی (ان کے اسلام لانے سے پہلے کی) دوست تھی، انہوں نے مکہ کے قیدیوں میں سے ایک قیدی شخص سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ اسے قید سے نکال کر لے جائیں گے، کہتے ہیں کہ میں اسے قید سے نکال کر مدینہ لے جانے کے لیے آ گیا، میں ایک چاندنی رات میں مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے سایہ میں جا کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ عناق آ گئی۔ دیوار کے اوٹ میں میری سیاہ پرچھائیں اس نے دیکھ لی، جب میرے قریب پہنچی تو مجھے پہچان کر پوچھا: مرثد ہو نا؟ میں نے کہا: ہاں، مرثد ہوں، اس نے کہا:

مَرْحَبًا وَأَهْلًا هَلُمَّ فَبِتْ عِنْدَنَا اللَّيْلَةَ

"خوش آمدید، آؤ، رات ہمارے پاس گزارو۔"

میں نے کہا:

يَا عَنَاقُ، حَرَّمَ اللهُ الزِّنَا "

"عناق! اللہ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔" اس نے شور مچا دیا، اے خیمہ والو (دوڑو) یہ شخص تمہارے قیدیوں کو اٹھائے لیے جا رہا ہے، پھر میرے پیچھے آٹھ آدمی دوڑ پڑے، میں خندمہ (نامی پہاڑ) کی طرف بھاگا اور ایک غار یا کھوہ کے پاس پہنچ کر اس میں گھس کر چھپ گیا، وہ لوگ بھی اوپر چڑھ آئے اور میرے سر کے قریب ہی کھڑے ہو کر۔ انہوں نے پیشاب کیا تو ان کے پیشاب کی بوندیں ہمارے سر پر ٹپکیں، لیکن اللہ نے انہیں اندھا بنا دیا، وہ ہمیں نہ دیکھ سکے، وہ لوٹے تو میں بھی لوٹ کر اپنے ساتھی کے پاس (جسے اٹھا کر مجھے لے جانا تھا) آ گیا، وہ بھاری بھرکم آدمی تھے، میں نے انہیں اٹھا کر (پیٹھ پر) لاد لیا، اذخر (کی جھاڑیوں میں) پہنچ کر میں نے ان کی بیڑیاں توڑ ڈالیں اور پھر اٹھا کر چل پڑا، کبھی کبھی اس نے بھی میری مدد کی (وہ بھی بیڑیاں لے کر چلتا) اس طرح میں مدینہ آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں عناق سے شادی کر لوں؟ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے مجھے کوئی جواب نہیں دیا، پھر یہ آیت

﴿الزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾

"زانی زانیہ یا مشرکہ ہی سے نکاح کرے اور زانیہ سے زانی یا مشرک ہی نکاح کرے، مسلمانوں پر یہ نکاح حرام ہے" (سورۃ النور:3)، نازل ہوئی آپ نے (اس آیت کے نزول کے بعد مرثد بن ابی مرثد سے) فرمایا: "اس سے نکاح نہ کرو۔" (جامع ترمذی: 3177]

سیدنا ابو امامہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نوجوان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے زنا کی اجازت دیں، لوگ اس پر پل پڑے اور کہا:

"خاموش ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ،" لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا:

"قریب ہو جا۔ پس وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر بیٹھ گیا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تو اپنی ماں کیلئے اس چیز کو پسند کرتا ہے؟"

اس نے کہا: "اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کیلئے اس برائی کو پسند نہیں کرتے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اچھا کیا تو اپنی بیٹی کے لئے اس چیز کو پسند کرے گا؟"

اس نے کہا:

"نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر دے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لوگ بھی اس برائی کو اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اچھا کیا تو زنا کو اپنی بہن کے لئے پسند کرتا ہے؟"

اس نے کہا: "اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے، میں اپنی بہن کے لیے اس کو کبھی بھی پسند نہیں کروں گا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے اس برائی کو پسند نہیں کرتے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تو اس کو اپنی پھوپھی کے لئے پسند کرے گا؟"
اس نے کہا: "نہیں، اللہ کی قسم میں اس کو پسند نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے۔"
آپ ﷺ نے فرمایا:
"تو پھر لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔"
آپ ﷺ نے فرمایا:
"اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تو اس برائی کو اپنی خالہ کے لیے پسند کرے گا؟" اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں اس کو پسند نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:
"تو پھر لوگ بھی اپنی خالاؤں کے لئے اس برائی کو پسند نہیں کرتے، آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور اس کے حق میں یہ دعا فرمائی:
اللّهمّ اغفِرْ ذنبَه وطهِّرْ قلبَه وحصِّنْ فرجَه. "اے میرے اللہ! اس کے گناہ بخش دے، اس کے دل کو پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ کو محفوظ کر دے۔"
راوی کہتے ہیں:
"فلم يكُنْ بعدَ ذلك الفتى يلتفِتُ إلى شيءٍ "اس کے بعد وہ نوجوان کسی چیز کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔" (مسند احمد: 22211، سلسلہ صحیحہ: 2819)
ہم نے اللہ کے فضل و کرم سے سب سے پہلے اس بات کو سمجھا ہے کہ نبی ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں:
پہلی حیثیت محمد بن عبد اللہ کی ہے، دوسری حیثیت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔
نبی ﷺ کو دونوں حیثیتوں سے ماننا ضروری اور فرض ہے، جو شخص پہلی حیثیت کو تو مانتا ہے لیکن دوسری حیثیت کو نہیں مانتا یا اس طرح نہیں مانتا جس طرح ماننے کا حق ہے تو ایسا شخص ناکام و نامراد ہے، کیونکہ پہلی حیثیت سے تو نبی ﷺ کو مشرکین مکہ نے بھی مانا تھا، اسی حیثیت سے وہ نبی ﷺ کو صادق و امین کہتے تھے، لیکن جب دوسری حیثیت سے ماننے کی باری آئی تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔
اس کے بعد یہ بات سمجھی ہے کہ نبی کی ولادت کا جشن منانے کی بجائے آقا کا مشن اپنانا چاہئے، اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنا، عقیدہ توحید کا احیاء، عدل وانصاف کا قیام، حصولِ جنت کا شوق پیدا کرنا، اتفاق و اتحاد کا قیام، مکارم اخلاق کی تکمیل اور بے حیائی کا خاتمہ نبی ﷺ کے مشن تھے، جشن کی بجائے یہ ضروری ہے کہ نبی ﷺ کے ان مشنوں کو اپنایا جائے۔

☆☆☆

قتیل، بے مہری

(علامہ عبد اللہ یوسف علی رحمۃ اللہ علیہ)

10 دسمبر 1953ء کو قرآن مجید کا یہ عظیم مترجم اور مفسر لندن میں کسمپرسی کے عالم میں فوت ہوا۔

کلام پاک الٰہی کی دلنشیں تفسیر
رموزِ دین وشریعت کی معتبر تشریح
بنائے خشتِ کلیسا اکھاڑ دی کس نے
صحیفہ ہائے مسیح ویہود کا احوال
چراغ جادۂ اسلام کا وہ پروانہ
نگاہِ نقد بھی تحریف پر اشارت بھی
جہان امت مرحوم کا وہ فرد فرید
وہ اک سلیس عیارِ زبانِ افرنگی
وہ ایک گنج گراں مایۂ علوم وفنون
دیار غرب میں تفہیم دین کا آغاز
وہ ایک شمع فروزاں کتاب وحدت کی
شعاعِ نور صلیبوں کے دیس میں چمکی
وہ اپنے آپ میں قاموسِ زندہ وتاباں
ہوئے گمان وتعصب کے چاک کچھ پردے
مگر قتیلِ ستم ہائے یاس دبے مہری
بکھر رہا ہے شب تارِ کذب کا افسوں
کہ تاج سر پہ لیے عظمت وجلالت کا
دلوں میں جاگ رہی ہے صداقت قرآں
دیار غرب کی تاریک وسرد راتوں میں
طلوع صبح صداقت قریب ہے شاید
بھٹکتا پھرتا تھا ویران شاہراہوں پر

حافظ ثمامہ سلیم کا اعزاز

قاری ذکاء اللہ سلیم، امام و خطیب جامع مسجد اہل حدیث گرین لین برمنگھم، فرزند حافظ ثمامہ سلیم جو گزشتہ سال 'البر فاؤنڈیشن' لندن کے سالانہ مسابقۂ حفظ قرآن میں شریک ہوئے تھے اور 20 پاروں کے مقابلۂ قرآن میں پہلا انعام حاصل کیا۔ انعام کی رقم والدین کے حج بیت اللہ کے لیے مختص کر دی تھی، اسی سال بھی مکمل قرآن کے مسابقہ میں شریک ہو کر پورے برطانیہ میں پہلا انعام حاصل کیا اور حاصل ہونے والی انعام رقم کو والدین کے حج کی مد میں جمع کر دی۔ الحمد یہ ایک اچھی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فرزند کو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے اور متقین و پرہیز لوگوں کا امام بنائے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ایسی اولاد سے نوازے۔ آمین

☆☆☆

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"متقی ہونے کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے کہ ان سے کبھی کوئی گناہ ہی سرزد نہ ہو، یا وہ خطا و معصیت سے معصوم پیدا کیے گئے ہوں، اگر ایسی کوئی شرط ہوتی تو پوری امت میں کوئی بھی متقی نہ ہوتا۔ متقی تو وہ ہے جو اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور جو گناہوں کو مٹا دینے والی نیکیاں کرتا ہے۔" (منہاج السنۃ النبویۃ: 7/82)

نماز میں قرآت سے متعلق

حدیث نمبر:95

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ في الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيين من صلاة الظهر بفاتحة الكتاب وسورتين يطول في الأولى ويقصر في الثانية ويسمع الآية أحيانا، وكان يقرا في العصر بفاتحة الكتاب وسورتين وكان يطول في الأولى وكان يطول في الركعة الأولى من صلاة الصبح ويقصر في الثانية» [رواه البخاري، كتاب الأذان، باب القراءة في الظهر: 759، وباب القراءة في العصر:762، وبابٌ: يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب، برقم 776، ومسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر:451]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

"سیدنا عبداللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، انہوں نے اپنے باپ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ہر رکعت میں ایک ایک سورت پڑھتے تھے، ان میں بھی قرآت کرتے تھے لیکن آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتے تھے کبھی کبھی ہم کو بھی کوئی آیت سنا دیا کرتے تھے۔ عصر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ اور سورتیں پڑھتے تھے، اس کی بھی پہلی دو رکعتیں لمبی پڑھتے۔ اسی طرح صبح کی نماز کی پہلی رکعت لمبی کرتے اور دوسری ہلکی۔"

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : كَانَ يَقْرَأُ: آپ پڑھا کرتے تھے۔

2 : فِيْ الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ : پہلی دو رکعتوں میں۔

3 : فَاتِحَةِ الْكِتَابِ: سورہ فاتحہ۔

4 :يُطَوِّلُ فِيْ الْأُوْلىٰ: پہلی رکعت میں طویل کرتے۔

5 : الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ : آخری دو رکعتیں۔

حدیث سے حاصل ہونے والے بعض مسائل واحکام

1۔ قرات فاتحہ نماز کی ہر رکعت کا رکن ہے۔ یعنی اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے۔

2۔ پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن حکیم کی کوئی دوسری سورۃ یا اس کا کوئی حصہ پڑھنا مشروع ہے۔

3۔ آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پر اکتفا کرنا مستحب ہے یعنی سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی دوسری سورہ یا اس کا کوئی حصہ پڑھنا واجب نہیں ہے صرف سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔

4۔ عموماً پہلی رکعت میں لمبی قرات کرنا اور دوسری میں قدرے مختصر کرنا مستحب ہے۔ لیکن اس کے الٹ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے۔

5۔ نماز فجر، مغرب، عشاء یعنی جہری نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں باآواز بلند قرآت اور آخری رکعت / رکعتوں میں سری یعنی آہستہ آواز میں مسنون ہے۔

6۔ ظہر اور عصر میں قرآت جہری یعنی باآواز بلند نہیں بلکہ سری ہے۔

7۔ سری نماز پڑھاتے ہوئے امام کبھی کبھار کوئی آیت بلند آواز سے پڑھ دے تو یہ مستحب عمل ہے۔

8۔ نماز فجر کی پہلی رکعت کو طویل اور دوسری رکعت کو مختصر کرنا مستحب ہے۔

9۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل کو بغور دیکھتے اس کو یاد کرتے اس پر خود عمل کرتے اور پوری امت کے لیے اس کو بیان کرتے۔

نماز میں قرآت سے متعلق

حدیث نمبر:96

عَنْ جبير بن مطعم رضي الله عَنْه قال : «سَمِعْتُ النَّبِيّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ».[رواه البخاري، كتاب الأذان، باب الجهر بالمغرب، برقم 765، ومسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة في الصبح، برقم 463]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا۔ (بخاری ومسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : سَمِعْتُ : میں نے سنا۔

2 : يَقْرَأُ : وہ پڑھتا ہے۔

3 : فِيْ الْمَغْرِبِ:(نماز) مغرب میں۔

4 : الطُّوْرِ : قرآن مجید کی سورت کا نام ہے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ مغرب کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قرآت جہری یعنی بلند اواز سے ہے۔

2۔ مغرب کی نماز میں بعض دفعہ طویل قرآت کرنا جائز ہے۔

3۔ مغرب کی نماز میں عموماً قرات مختصر لیکن بعض دفعہ لمبی قرات کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو۔ اسی طرح فجر کی نماز میں لمبی قرات ہے مگر بعض دفعہ مختصر کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر قرات کرنا بھی ثابت ۔ البتہ با جماعت نماز میں امام صاحب کو مقتدیوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رحيم﴾ (سورۃ آل عمران:31)

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللهِ إِلَّا الْحَقِّ﴾ (سورۃ النساء: 172)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنا لَعَنَ اللهُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

«لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا : عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ»

تمہید

محبت کے کئی اعتبار اور درجے ہیں، مثلاً: طبعی محبت، انسیت کی محبت، شفقت و مہربانی کی محبت، جیسے ماں کی بچے کے لیے محبت ہوتی ہے۔ ایسے ہی انسان بعض چیزوں کو محبوب جانتا اور کچھ کو ناپسند کرتا ہے اور بسا اوقات محبت شراکت داری اور کسی خوبی کی وجہ سے ہوتی ہے، محبت کے یہ سب درجے مخلوق میں پائے جاتے ہیں۔

خاص محبت کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں، اہل علم نے ان تقاضوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

1۔ کامل محبت

2۔ محبوب کی پسند کو محبوب جاننا

3۔ محبوب کی ناپسند کو چھوڑ دینا

یہ محبت کا درجہ اور تقاضا صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا ہے کہ اس کے رسول پر ایمان لایا جائے، اُن سے محبت کی جائے، ان کی اطاعت واتباع کی جائے اور ان کی ہر پسندیدہ چیز کو محبوب جان کر اپنایا جائے اور اس کی دعوت دی جائے۔

سوال یہ ہے کہ محبت رسول کیسے نصیب ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید، حدیث رسول، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت رسول کے واقعات اور سیرت رسول پر کتابوں وغیرہ، سے پتہ چلتا ہے کہ رسول کریم ﷺ سے محبت کا دائرہ کار اور مفہوم و مقصود کیا ہے؟ تاکہ انسان غلو اور افراط و تفریط سے بچ جائے۔

محبت رسول کا اظہار دل، زبان، اعضا اور اپنے اعمال سے کیا جاتا ہے۔ محبت رسول صحیح تصور آپ کے اسوہ کو اپنانے، سنتوں پر عمل پیرا ہونے اور آپ کے لائے دین کو مان لینے کا نام ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں، مگر مصطفیٰ کے بعد

محبت کے نام پر بدعات اور غلو کی صورتیں

بعثت رسول اور انسانی تاریخ کا عظیم ترین دن

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسانی تاریخ میں وہ دن سب سے عظیم ترین ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے جناب محمد ﷺ کو نبی ورسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ لیکن خود رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دن کبھی نہیں منایا، اس لیے کہ آپ کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد تلاوت آیات، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس ہے، آپ کی ذات والا صفات رسمی کاروائیوں، جشن منانے اور بدعات وخرافات سے کہیں بالا اور عظیم تر ہے۔

ذرا غور کیجیے! جو ہستیاں رسول اکرم ﷺ کے اشارے پر اپنی زندگیاں اور مال و جان سب نچھاور کر دینے پر تیار ہوں، انہوں نے کبھی یہ دن خاص کر کے نہیں منایا۔ بلکہ ہمیشہ اتباع وطاعت کی کوشش کی، آپ کے اسوہ کو اپنانے کی کوشش کی، یہی حقیقی محبت رسول کا تقاضا ہے اور باقی میلاد کے نام پر خرافات، غلو اور بدعات کا ذریعہ ہیں، جس کی اصل کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت نہیں، بلکہ پہلی چھ صدیاں اس عمل سے خالی نظر آتی ہیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو دین میں غلو کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَأَهْلَ الْكِتَبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ ﴾

"اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ پر مت کہو مگر حق۔"(سورۃ النساء:141)

دین میں بدعات، غلو کا پیش خیمہ ہیں:

اگر ہم اس دن کو محبت رسول کے نام پر منانا شروع کر دیں، تو یہ دین میں نئے کام کا اضافہ ہوگا جو کہ بدعت ہے۔ عید میلاد ایک مذہبی تقریب کے طور پر منائی جاتی ہے، اس لیے یہ دین میں اضافہ ہے جو بدعت ہے۔ بدعت کی تردید اور مذمت کے سلسلے میں بے شمار احادیث ہیں۔ جیسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ ، فَهُوَ رَدٌّ»

”جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی رسم پیدا کی جو اس میں نہیں تھی تو وہ مردود ہوگی۔“ (صحیح بخاری:2697)

محبت رسول کے خالی نعرے اور غلو کی صورت

محبت رسول کا دعویٰ اس وقت تک سچ ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس کی بنیاد ایمان، اطاعت اور اتباع پر نہ ہو۔ محبت رسول میں جذبات بھی ضروری ہیں مگر یہ جذبات کتاب وسنت کی تعلیم سے تجاوز نہ کریں۔ ورنہ محبت رسول میں غلو پیدا ہو جائے گا۔

اطاعت کے بغیر محبت رسول ہونے کا نعرہ منافقت ہے، جیسے زبانی دعوے منافقین اور بدو لوگ بھی کرتے تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلَكِنْ قُوْلُوْا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِي قلوبكم﴾(سورۃ الحجرات:14)

”بدوؤں نے کہا ہم ایمان لے آئے، کہہ دے تم ایمان نہیں لائے اور لیکن یہ کہو کہ ہم مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔“

محبت کے نام پر دین میں غلو کرنا قابل مذمت ہے

محبت رسول میں حد سے تجاوز کرنا غلو میں شامل ہے اور ایسی محبت کرنے والا اللہ کے ہاں اجر و ثواب کے بجائے سزا اور ناراضی کا مستحق قرار پاتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إياكم والغلو في الدين فإنما أهلك من كان قبلكم الغلو في الدين» ”غلو سے بچو، کیوں کہ تم سے پہلے لوگ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔“ (سنن نسائی: 3057)

شان رسالت میں غلو کرنا، فرمان نبوی ﷺ کے خلاف ہے

رسول اکرم ﷺ نے اپنی محبت و شان میں غلو کرنے سے امت کو سختی سے منع کیا ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے کہا: جیسے عیسائیوں نے سیدنا عیسی بن مریم علیہ السلام کی شان میں غلو کیا ہے، انہیں اللہ کا بیٹا بنایا اور بالآخر ہلاک ہو گئے۔

یاد رکھو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اس سے زیادہ میری شان میں کمی وبیشی مت کرنا۔ اس سے بڑی شان کیا ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی بیان فرمائی ہے، آپ افضل البشر، سید الاولین والآخرین اور امام الانبیاء ہیں، لہٰذا ساری امت پر اس شان و منزلت کو تسلیم کرنا لازم ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُطْرُونِي كما أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ؛ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا: عبدُ اللهِ ورسوله»

”مجھے ایسا نہ بڑھاؤ جس طرح نصاری نے عیسی علی ابن مریم کو بڑھایا۔ بس میں تو اللہ کا بندہ ہوں، اس لیے تم یوں کہا کرو: آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“(صحیح بخاری: 3445)

صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت رسول، اطاعت اور جذبات کا مرقع

صحابہ کی محبت رسول کا انداز

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع سنت کا یہ عالم تھا کہ محبت رسول سے سرشار ہو کر بھی کبھی کوئی ایسی بات ان سے صادر نہیں ہوتی تھی جو رسول اکرم ﷺ کی پسند ہی کے خلاف ہو۔ جیسے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذَلِكَ

”صحابہ کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی شخص بھی محبوب نہ تھا، لیکن جب وہ آپ کو دیکھتے تو آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوتے کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ آپ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں۔“ (جامع ترمذی: 2754)

ایک دیہاتی صحابی کی محبت رسول اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خوش ہونا

ذوالخویصرہ یمانی رضی اللہ عنہ ایک دیہاتی شخص اپنے سادہ انداز میں نبی اکرم ﷺ سے اظہار محبت کرتا ہے، جس کا جواب سننے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے اُسے جنت اور عظیم الشان صحبت کی بشارت سنائی ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا:

إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ ورسوله

”مگر میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتَ مع مَن أَحْبَبْتَ»

”تم اس کے ساتھ ہو جس کے ساتھ تم نے محبت کی۔“

یہ سن کر سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اپنی محبت کا اظہار یوں کیا:

فأَنَا أُحِبُّ النبي اللهِ وأبا بكر، وعُمَرَ، وأَرْجُو أَنْ أَكُونَ معهُمْ بِحُبِّي إِيَّاهُمْ، وإِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ

”میں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، ابو بکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم بھی سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید

ہے کہ میں آخرت میں انہی کے ساتھ ہوں گا اگر چہ میں نے ان کے برابر اعمال نہیں کیے۔" (صحیح بخاری:3688)

محبت رسول کے نام پر غلو اور سماجی رویے

غلو کی انتہا: وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر

رسول اللہ ﷺ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے کہ آپ کی مدح سرائی میں مبالغے سے کام نہ لیا جائے جیسا کہ عیسائیوں نے سیدنا عیسی علیہ السلام کو منصب الوہیت تک پہنچایا اور انہیں اللہ کا بیٹا قرار دیا۔

لیکن افسوس کہ آج نام نہاد مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق مدح سرائی میں اس قدر مبالغہ اور غلو کیا ہے کہ انہیں منصب الوہیت پر پہنچا دیا ہے، چنانچہ مسلمانوں کے ایک طبقے نے رسول اللہ ﷺ کو نوراً من نور اللہ قرار دیا اور کچھ لوگوں نے آپ کی مدح سرائی میں انتہائی مبالغہ آمیز اور غلو پر مبنی اشعار کہے، مثلاً:

وہی جو مستوِی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفی ہو کر

محبت کے نام سے توحید پر آنچ آئے، ایسا غلو برداشت نہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کوئی بھی نبی اکرم ﷺ سے محبت نہیں کر سکتا۔ ان کی محبت محض زبانی دعووں تک محدود نہیں تھی بلکہ ان کے اقوال و افعال ان کی نبی سے محبت کا پتہ دیتے تھے۔ وہ نبی کریم ﷺ کی ہر ایک ادا کو اپنانے والے تھے۔ وہ آپ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنے والے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے کہا:

«مَا شَاءَ اللهُ،وَشِئْتَ »

"جو اللہ چاہیں اور جو آپ چاہیں۔"

اس بات سے رسول اکرم ﷺ نے فوراً روکا اور فرمایا:

«أَجَعَلْتَنِي وَاللهَ عَدْلًا بَلْ مَا شَاءَ اللهُ وَحْدَهُ »

"اللہ کی قسم! کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ہے، بلکہ تم یوں کہو: جو اللہ اکیلے اللہ نے چاہا ہے۔" (مسند احمد:1839)

نبی کے علم الغیب کا عقیدہ اور غلو سے منع کر دیا

محبت رسول میں آپ کو عالم الغیب کہنا غلو ہے، اس لیے علم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فوراً منع کر دیا، کیوں کہ یہ آپ کی شان میں غلو ہے۔

سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "میری شب زفاف کی صبح کو میرے پاس نبی تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تم بیٹھے ہو۔ کچھ بچیاں اس وقت دف بجا رہی تھیں اور میرے ان آباء و اجداد کے اوصاف گا رہی تھیں جو غزوہ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک بچی گاتے گاتے کہنے لگی:

وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدِ

"ہم میں ہے ایک نبی جو کل کی بات بھی جانتا ہے۔"

اسی وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«(لا تَقُولِي هَكَذَا وَقُولِي مَا كُنْتِ تَقُولِينَ»

"اس طرح نہ کہو بلکہ اس طرح کہو جس طرح پہلے کہہ رہی تھی۔" (صحیح بخاری: 4001)

نور من نور اللہ کا عقیدہ اور محبت رسول کے نام پر غلو محبت رسول میں یہ کہنا کہ آپ ﷺ ہی اس کائنات کی وجہ تخلیق ہیں، ایک بے بنیاد بات ہے۔ اس کی اصل ایک موضوع حدیث پر ہے، حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

(لَوْلاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ)

رسول اکرم ﷺ کو نور من نور اللہ کہنا، یہ عقیدہ بھی غلو پر میں ہے۔ ایسے غلو سے بچنے کا حکم ہے۔ ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ محبت رسول کے نام پر بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو مکمل کر دیا ہے۔ بدعات اصل میں غلو کی شکل ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان خرافات سے بری الذمہ تھے، وہ سنتوں پر عمل کرتے اور اس کی دعوت دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی بشریت کا انکار اور شان میں غلو

کچھ لوگ رسول اکرم ﷺ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں، آپ کے بارے نور من نور اللہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ غلو کی انتہا ہے، یہ رسول اکرم ﷺ کے مقام سے بڑھا کر انھیں الوہیت کے مقام تک پہنچانا ہے، یہ آپ کی محبت میں حد سے بڑھ جانا اور غلو کرنا ہے، جو کہ حرام ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار آپ کی بشریت کا اعلان کیا ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ ﴾ (سورۃ الکھف:110)

"کہہ دے میں تو تم جیسا ایک بشر ہی ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے۔"

مسلمانوں کی اکثریت اور محبت رسول میں غلو کی صورت

مسلمانوں کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو نبی کریم ﷺ پر ایمان کا دعوی کرتے ہیں، لیکن ایمان کے ساتھ اطاعت نہیں ہے، بس خالی محبت کا دم بھرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اتباع سنت نہیں۔ بلکہ چند بدعات و خرافات کا نام محبت رسول سمجھ لیا ہے۔ مثلا: میلاد کی مجلسیں کروانا، خاص دن میں کھانے تقسیم کر دینا، سال کے بعد ایک جلوس نکال دینا اور نعرے لگانے کا نام محبت رسول بنالیا ہے۔

عربی زبان کا مشہور شعر ہے:

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتُهُ
لَانَ الْمُحِبُّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ

"اگر تیری محبت میں صداقت ہوتی تو تو اپنے محبوب کی فرمانبرداری کرتا کیونکہ محب محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔"

یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ ہم علی بن حسین (زین العابدین) کے پاس بیٹھے تھے، کوفی لوگوں کی ایک جماعت آئی۔ علی نے کہا: عراقیو! ہم سے اسلام کے نام پر محبت کرو۔ میں نے اپنے باپ سے سنا، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يا ايها الناس لا ترفعوني فوق قدري، فإن الله اتخذني عبدا قبل ان يتخذني نبيا»

"لوگو! مجھے میرے مقام سے بلند نہ کرو، (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے بندہ بنایا ہے۔" (سلسلہ صحیحہ:2153)

ذرا سوچیں! معاشرے میں کتنے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ایک مدت سے نماز نہیں پڑھی، مال ہوتے ہوئے بھی زکوۃ ادا کرنے کی توفیق نہیں لیکن بدعات کے نام پر ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ کیا ہمیں کبھی اس بات کی توفیق ہوئی کہ کتاب اللہ اور سنت رسول کا مطالعہ کریں اور ان کی روشنی میں اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور اپنے اعمال و کردار کی اصلاح کریں۔

رافضیوں کا غلو اور ائمہ معصوم ہونے کا عقیدہ

اس غلو کا ستیاناس ہو کہ اس نے ہر عقیدہ اور عمل دونوں کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ رافضی حضرات نے سیدنا علی اور اہل بیت کے ائمہ کے بارے غلو کیا، انہیں معصوم قرار دیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا، انھیں مشکل کشا جانا اور یا علی مدد کا نعرہ لگایا۔

حالانکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ صحابی رسول، داماد رسول، عم زاد رسول، اہل بیت کا سہرا، مسلمانوں کے برحق خلیفہ اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یا اس کے علاوہ جو بھی فضائل و مناقب آپ رضی اللہ عنہ کے کتاب و سنت سے ثابت ہیں، انہیں ماننا اور تسلیم کرنا ایمان کا حصہ ہے، غلو کرنا بالکل حرام تھا اور ہے۔

پہلی امتوں کی بربادی غلو کے باعث ہوئی

1۔ قوم نوح کے نیک لوگ، قبر پرستی اور غلو کی بنیاد

قوم نوح نے اپنی قوم کے نیک لوگوں کی محبت میں غلو کیا، انھیں حاجت روا جانا، قبر پر مجاور بن گئے، قبر پرستی کا آغاز ہوا، پھر آہستہ آہستہ لوگ فوت شدہ بزرگان کے واسطے سے دعا کرنے لگے اور یوں ان کی نسل شرک کرنے لگی۔ یہی غلو شرک کا سبب بنا، جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (سورۃ الزمر:13)

"اور وہ لوگ جنہوں نے اس کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا۔"

یہود و نصاریٰ کا اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں غلو اور انجام

یہود نے سیدنا عزیرہ حفظہ اللہ اور نصاری نے سیدنا عیسی حفظہ اللہ کو ابن اللہ قرار دیا، عقیدہ میں غلو کیا اور شرک کرنے لگے، جس کا انجام ہلاکت اور بربادی کی صورت میں نکلا۔ جب عیسائیوں نے اللہ کے دین کو بازیچہ اطفال بنایا تو بدعات میں پڑ گئے، اپنے علماء ومشائخ کو حلال و حرام کا اختیار دے دیا اور رہبانیت اختیار کر لی، جس کے بعد گمراہ ہو گئے۔

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾ (سورۃ الحدید:27)

"اور دنیا سے کنارہ کشی تو انہوں نے خود ہی ایجاد کر لی، ہم نے اسے ان پر نہیں لکھا تھا۔"

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو دین میں غلو کرنے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾ (سورۃ النساء: 172)

"اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ پر مت کہو مگر حق۔"

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

اِتَّبِعُوا وَلَا تَبْتَدِعَوا فَقَدْ كُفِيتُمْ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

"تم اتباع کرو اور بدعات اختیار مت کرو، یقینا تمہارے لیے کافی ہے، ہر بدعت گمراہی ہے۔" (السنۃ للمروزی:1/28، رقم:78)

عیسائیوں کی طرح تم میری شان میں غلو نہ کرنا

جیسے عیسائیوں نے سیدنا عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں غلو سے کام لیا، انہیں رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر اُلوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح نصریٰ نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو حرام و حلال کا اختیار دے کر غلو سے کام لیا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (سورۃ التوبہ:131)

"انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا۔"

نبی اکرم ﷺ نے بھی عیسائیوں کے اس غلو کی وجہ سے اپنے متعلق اپنی امت کو خبر دار فرمایا:

« لا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ؛ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ »

" تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسی بن مریم (علیہ السلام) کو بڑھایا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔" (صحیح بخاری: 3445)

صد افسوس! امت محمدیہ اس کے باوجود بھی اس غلو سے محفوظ نہ رہ سکی، جس میں عیسائی مبتلا ہوئے اور امت محمدیہ نے بھی اپنے پیغمبر کو بلکہ نیک بندوں تک کو خدائی صفات سے متصف ٹھہرا دیا، یہی دراصل عیسائیوں کا وطیرہ تھا۔ اسی طرح علماء وفقہاء کو بھی دین کا شارح اور مفسر ماننے کے بجائے انہیں شریعت سازی کا اختیار دے دیا۔

اے اللہ! میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا

یہود و نصاری نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا

امت محمدیہ میں کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ یا دیگر اولیاء کرام کی قبروں پر جاکر دعا کا وسیلہ پکڑتے، ان سے مدد مانگتے، انہیں مشکل کشائی کے لیے پکارتے اور صاحب قبر سے تبرک پکڑتے ہیں، حالاں کہ یہ سب غلو ہے، اس کی بنا پر قبر پرستی کا آغاز ہوا ہے۔ یہود و نصاری نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اور شدید غلو میں مبتلا ہو گئے، حالانکہ انہیں ایسا کرنے سے منع کیا گیا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے بیماری کے ایام میں ارشاد فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ اليَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

" اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔" (صحیح بخاری: 1390)

رسول اکرم ﷺ کی دعا: اے اللہ! میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا

اسلام سے قبل عرب میں قبر پرستی عام تھی، یہود و نصاری نے بھی اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا، اُن کا نبی جب فوت ہوتا تو وہ قبر کے مجاور بن جاتے اور قبر پر قبہ نما بنا دیتے، جس سے قبر پرستی کا آغاز ہوجاتا۔ اسی لیے حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے دعا فرمائی اور امت کو قبر پرستی سے منع کیا۔

سیدنا ابو ہر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دعا فرمائی:

«اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

" اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا، اس قوم پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔" (مسند احمد: 7358)

حدیث کی شرح اور مفہوم

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ اور امت کو ڈرایا ہے کہ تم سے پہلی امتوں میں کیسے قبر پرستی کا آغاز کیا، پھر قبروں کی تعظیم اور شرک شروع ہوا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا شکار ہوئے لیکن تم نے اس فعل شنیع سے بچ کر رہنا ہے، گویا یہ ایک وصیت تھی جو آپ نے اپنی امت کو فرمائی ہے۔

انبیاء کے تذکرے میں افراط و تفریط منع ہے

انبیاء کرام کے تذکرہ میں امام الانبیاء کی شان میں غلو منع ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے کسی ایک کو دوسرے پر ایسے انداز میں فضیلت دینا کہ جس سے گستاخی لازم آئے، یہ بھی غلو کی صورت ہے۔ یا نبی کریم ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام یا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت دینا اور برتر بیان کرنا، حالانکہ سبھی کا اپنا اپنا مقام اور فضائل ہیں، اس لیے حدیث میں منع ہے کہ امام الانبیاء کے ذکر کے ساتھ کسی نبی یا رسول کی شان میں گستاخی کی جائے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے آپس میں گالی گلوچ کی۔ مسلمان کہنے لگا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو سارے جہانوں پر برتری دی۔

یہودی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تمام اہل جہاں پر برگزیدہ بنایا۔ اس پر مسلمان نے ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا۔ وہ یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے اپنا اور مسلمان کا ماجرا کہہ سنایا۔ نبی کریم ﷺ نے اس مسلمان سے دریافت کیا تو اس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَصْعَقُ مَعَهُمْ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ جَانِبَ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنْ اسْتَثْنَى اللّٰهُ»

" تم مجھے موسیٰ پر برتری نہ دو کیونکہ قیامت کے دن جب سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا اور سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ (علیہ السلام) عرش کا ایک پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ اب میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش کر مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا۔" (صحیح بخاری: 2411)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے

اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام علیہم السلام ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ہے، لہٰذا کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ انبیاء کے درمیان فرق کرے، ایک شان میں تنقیص اور دوسرے کی عظمت بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ

نے یہ فضیلت قرآن میں عطا فرمائی ہے:
﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ (سورۃ البقرۃ:253)
"یہ رسول، ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے کچھ وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور ان کے بعض کو اس نے درجوں میں بلند کیا۔"
سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
« لا تُخَيِّروا بينَ الأنبياء»
"تم انبیاء کے درمیان کسی کو بہتر قرار مت دیا کرو۔" (سنن ابو داود:4668)

جزوی معجزات انبیاء کو ملے لیکن کلی فضیلت امام الانبیاء کو ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ایسے انداز سے بیان نہیں کرنی چاہیے جس سے دوسرے انبیاء کی کسر شان کا پہلو نکلتا ہو۔ کسی بھی نبی کے پیروکار دوسرے نبی کی شان میں گستاخی کریں گے تو اس سے فساد اور آپس میں لڑائی جھگڑا پھیلے گا، جو اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ جزوی طور پر انبیاء کو خصوصی معجزات عطا ہوئے لیکن کلی طور پر امام الانبیاء ہی افضل واعلیٰ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاجزی اور انکساری کی خاطر فرمایا: مجھے افضل قرار نہ دیا کرو۔
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
« لا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى» "مجھے موسی علیہ السلام سے بہتر نہ کہو۔" (صحیح بخاری: 3408)
انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں غلو یا تنقیص کرنا منع ہے: تعصب، عناد، حسد اور تنقیص کرتے ہوئے کسی نبی یا رسول کی شان میں گستاخی کرنا منع ہے، ایسا بندہ بدطینت، شہرت کا بھوکا اور گمراہ ہے۔ مسلمانوں کا دل دکھانے کے لیے آج بھی یہود وہنود جناب مین کی شان اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں۔
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
« لا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللهِ »
"اللہ کے انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت مت دو۔" (صحیح بخاری: 3414)

محبت رسول میں غلو کے مضرات

1۔ اتباع کے بجائے محض زبانی دعوے رہ جاتے ہیں، حالانکہ نجات کی بنیاد نیک اعمال ہیں۔
2۔ مسلمانوں کے عقیدے میں خرابی اور عمل میں بگاڑ لازم آتا ہے۔
3۔ سنت پر عمل کے بجائے بدعات وخرافات کو محبت رسول سمجھ لیا جاتا ہے۔
4۔ غلو سے شریعت سازی اور دین الٰہی کو بدلنا لازم آتا ہے، جو کہ حرام ہے۔
اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ دعا اور توفیق کا مطالبہ ہے کہ وہ اہل اسلام کو ماہ ربیع الاول ہو یا سال بھر کے باقی مہینے یا دن ہوں، زندگی بھر محبت رسول کا حقیقی شعور اور کامل اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ کے لائے ہوئے دین کو سمجھ کر اپنانے اور اس کی دعوت دینے اور دنیا میں اسے غالب کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

مرکزی جمعیت اہل حدیث کا ڈاکٹر بہاؤ الدین اظہر کے اعزاز میں عشائیہ

ایک عبقری شخصیت کی تشریف آوری اور مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کا ان کے اعزاز میں عشائیہ۔ عربی، اردو، انگریزی، فارسی، پنجابی اور دیگر زبانوں کے جاننے والے ڈاکٹر بہاؤ الدین اظہر جنہوں نے ختم نبوت پر 75 کتابیں اور تاریخ اہلحدیث پر 14 کتابیں لکھی ہیں، جو انڈیا اور پاکستان میں طبع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے وہ کام لیا ہے جو بڑی بڑی اکیڈمیاں، تنظیمیں، جماعتیں، جامعات اور یونیورسٹیوں نے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ایک فرد سے وہ کام لیا ہے جو خود ان کتابوں کو کمپوز کر کے اور اپنے ہی پیسوں سے ان کو زیور طباعت سے آراستہ اور پیراستہ کیا اور لوگوں میں مفت تقسیم کیا۔ جملہ کتب جو انہوں نے اب تک طبع کرائی ہیں وہ 126 ہیں، جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے ناظم اعلیٰ قاری ذکاء اللہ سلیم، نائب امیر مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب اور محمد عبد الرؤف عمری ریاضی، مولانا محمد ابراہیم میرپوری، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، اس عشائیہ میں شریک تھے۔ ڈاکٹر بہاؤ الدین اظہر کا شکریہ ادا کیے اور بے شمار دعائیں دیں اور ڈاکٹر صاحب سے بے شمار دعائیں لیں، اب تک ان کتابوں کی طباعت اور تقسیم پر کروڑوں روپے خرچ ہوئے، اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل وکرم ہے کہ اس نے اتنا بڑا پروجیکٹ ایک مرد قلندر سے مکمل کروایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے وہ بڑا کام لیا ہے۔ اللہ کریم انہیں باصحت وعافیت لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین
اسی طرح عجوبہ روزگار ڈاکٹر بہاؤ الدین اظہر کی ڈڈلی تشریف آوری ہوئی، اس موقع پر وہاں جمعیہ کے ذمہ داروں نے ان کا استقبال کیا اور ان کے اعزاز میں ٹرسٹی مسجد حاجی عبد الرحمٰن قریشی، ظہرانے کا اہتمام کیا۔ جس میں مہمانوں کے ساتھ حاجی ذوالفقار قریشی، جناب عبد الرحمٰن قریشی، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، جناب عابد محمود جنجوعہ، جناب آصف محمود جنجوعہ زرگر اور ڈاکٹر عبد الرب ثاقب وغیرہم شریک تھے۔ مہمان خصوصی کی درازئ عمر کے لیے دعا کی گئی۔ اس موقع پر ڈاکٹر بہاؤ الدین صاحب نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔

عبادت

تعریف

عبادت کے لغوی معنی، تذلل اور خضوع یعنی پستی، عاجزی اور فروتنی اختیار کرنے کے ہیں۔ شرعی پہلو سے اس کی تعریف کچھ یوں ہے:

العِبادةُ اسمٌ جامِعٌ لكُلِّ ما يحِبُه اللهُ ويَرْضاه مِنَ الأقوالِ والأعمالِ الباطِنةِ والظَّاهِرةِ.

"عبادت ایک ایسا جامع اسم ہے، جس سے وہ تمام ظاہری اور باطنی اقوال و اعمال مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں اور جن پر وہ راضی ہوتا ہے۔"

عبادت کی وجہِ تسمیہ

انسانوں پر عائد شرعی احکامات کی ادئیگی کو عبادت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ان کی پابندی کرتے اور عاجزی وانکساری سے انھیں بجالاتے ہیں۔

ارکانِ عبادت

عبادت کے تین ارکان ہیں:

1۔محبت 2۔خوف 3۔امید

عبادت کی شرائط صحت وقبولیت

بارگاہِ ایزدی میں عبادت کے مقبول و منظور ہونے کی دو شرطیں ہیں:

1۔اخلاص

اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾(سورۃ البینۃ: 5)

"انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اُسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔"

2۔متابعتِ رسول ﷺ

اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»

"جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو، تو وہ مردود ہے۔"

عبادت کے اقسام

عبادت کی دو قسمیں ہیں:

1۔عبادتِ کونیہ

2۔عبادتِ شرعیہ

ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

عبادتِ کونیہ

اس کے معنی ہیں:

اَلْخُضُوْعُ لِاَمْرِاللهِ اَلْكَوْنِيْ

یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کونیہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔ یہ تمام مخلوق کو شامل ہے؛ کوئی بھی اس سے مستثنا نہیں، خواہ مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا فاسق وفاجر۔

اس کی دلیل اللہ رب العزت کا یہ ارشاد ہے:

﴿ إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا﴾ (سورۃ مریم: 93)

"آسمان و زمین میں جو بھی ہیں، سب کے سب اللہ تعالیٰ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔"

عبادتِ شرعیہ

اس سے مراد یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے شرعی حکم کو تسلیم کیا جائے۔ یہ اُس شخص کے ساتھ خاص ہے جو خدا کا فرماں بردار ہے اور انبیاے کرامؑ کے لائے ہوئے احکامات پہ عمل پیرا ہے۔

اس کی دلیل خداوندِ قدوس کا یہ فرمان ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾

"رحمٰن کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔"(سورۃ الفرقان: 63)

توحیدِ عبادت سے متعلق ایک اہم ضابطہ

نص قاعدہ

ہر وہ فعل جس کا عبادت ہونا ثابت ہو، اُسے خدا کے لیے بجا لانا توحید اور خدا کے سوا کسی اور کی طرف پھیرنا شرک ہے۔

دلائل

اس ضابطے کے دلائل بہت زیادہ ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾

"اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔"(سورۃ النساء:36)

اللہ عزوجل کا فرمانِ عالی شان ہے:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾

(سورۃ بنی اسرائیل: 23)

"اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔"

خداوندِ عالم فرماتا ہے:

﴿وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴾(سورۃ الانعام:51)

"آپ فرمائیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن (کی مخالفت) کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما

دیا ہے، وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ۔"

مثالیں

- دعا عبادت ہے؛ اسے غیر اللہ کی طرف پھیرنا شرک ہے۔
- خوف عبادت ہے؛ غیر اللہ کا خوف رکھنا شرک ہے۔
- ذبح عبادت ہے؛ اللہ کے علاوہ کسی اور ہستی کے لیے ذبح کرنا شرک ہے۔
- نذر عبادت ہے؛ خدا کے سوا کسی اور کے لیے نذر ماننا شرک ہے۔

محبت کی اقسام

محبت چار قسموں میں منقسم ہے:

1۔ عبادت

اس سے مراد یہ ہے کہ

- اللہ سے محبت کی جائے اور
- خدا کی پسندیدہ اور محبوب چیزوں سے بھی محبت کی جائے۔

اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ﴾

"اور ایمان والے اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔"(سورۃ البقرہ:165)

2۔ شرک

اس کے معنی یہ ہیں کہ غیر اللہ سے ایسی عاجزی اور تعظیم کے ساتھ محبت کی جائے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی شان کے لائق ہے۔ اس کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ﴾

"بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر اُن سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے۔"(سورۃ البقرہ:165)

3۔ معصیت

اس سے معاصی، بدعات اور محرمات کی محبت مراد ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

(سورۃ النور:19)

"جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے، وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں؛ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

4۔ طبعی محبت

جیسے اولاد، خاندان اور زندگی وغیرہ کی محبت؛ یہ جائز محبت ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ﴾ (سورۃ آل عمران:14)

"مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لیے مزین کر دی گئی ہے، جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان دار گھوڑے اور چوپایے اور کھیتی؛ یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔"

خوف

تعریف

یہ ایسی حالت سے متاثر ہونے کا نام ہے جس میں کسی ہلاکت، نقصان، یا تکلیف پہنچنے کا اندیشہ اور خدشہ ہو۔

خوف کے اقسام

اس کی درج ذیل قسمیں ہیں:

1۔ شرک اکبر

اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَخَافُوْهمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾(سورۃ آل عمران:175)

"تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو۔"

2۔ حرام

اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان لوگوں کے ڈر سے کسی واجب کو ترک کر دے، یا کسی حرام کا ارتکاب کرے۔ اس کی دلیل اللہ رب العزت کا یہ فرمان ہے:

﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ﴾ (سورۃ المائدہ:44)

"لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو۔"

3۔ جائز

یہ طبعی خوف ہے، جیسے کسی درندے (مثلاً شیر)، دشمن یا ظالم حکمران سے خائف ہونا۔ اس کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشادِ مبارک ہے:

﴿ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ﴾

(سورۃ القصص:18)

"(موسیٰ (علیہ السلام)) صبح ہی صبح ڈرتے اندیشہ کی حالت میں خبریں لینے کو شہر میں گئے۔"

4۔ عبادت

اس سے مراد اللہ وحدہ لاشریک کا خوف ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾

"اور اُس شخص کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، دو جنتیں ہیں۔"(سورۃ الرحمٰن:46)

خوفِ خدا کے اقسام

1۔ محمود

اس سے مراد وہ خوف ہے جو انسان اور معصیت کے مابین رکاوٹ بن جائے؛ اسے فرائض و واجبات ادیگی پر آمادہ کرے اور محرکات کو ترک کرنے پر ابھارے۔

2۔ مذموم

یہ وہ خوف ہے جو انسان کو رحمتِ ایزدی سے مایوس اور ناامید کر دے۔

امید

تعریف

الرجاء(امید) کے معنی کسی پسندیدہ اور محبوب شے کی توقع، خواہش، آرزو اور انتظار کے ہیں۔

اقسام

اس کے تین اقسام ہیں:

1۔ رجائے عبادت

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے امید رکھی جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ رجائے محمود

یہ وہ امید ہے جو عمل صالح اور اطاعت الٰہی کی بنا پر رکھی جائے۔

ب۔ رجائے مذموم

اس کے معنی یہ ہیں کہ بغیر عمل کے خدا سے لمبی لمبی امیدیں باندھ لی جائیں؛ یہ در اصل جھوٹی آرزوؤں اور خود فریبی کا دوسرا نام ہے۔

2۔ رجائے شرک

اس کا مفہوم یہ ہے کہ غیر اللہ سے ایسی شے کی امید رکھی جائے جس پر صرف باری تعالیٰ ہی قدرت رکھتا ہے۔

3۔ رجائے طبعی

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص سے ایسے معاملے کی توقع کی جائے جو اس کے اختیار و قدرت میں ہو، جیسے آپ کسی دوسرے سے کہتے ہیں: مجھے امید ہے کہ آپ تشریف لائیں گے۔

رجاء کی دلیل

اس کی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾(سورۃ الکھف: 110)

”پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھیرائے۔“

توکل

تعریف

لغت کی رُو سے اس کے معنی ہیں: کوئی شے کسی کے سپرد کر دینا اور اعتماد و بھروسا کرنا۔

شرعی اعتبار سے اس کا مفہوم ہے:

اعْتِمَادُ الْقَلْبِ عَلَى اللهِ وَحْدَه

یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی پر دلی بھروسا رکھنا۔

توکل شرعی

از رُوے شرع صحیح توکل وہ ہے جس میں درج ذیل تین امور جمع ہوں:

1۔ اللہ تعالیٰ پر سچا اور حقیقی اعتماد ہو۔

2۔ اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین ہو اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ تمام معاملات خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں۔

3۔ وہ اسباب و ذرائع اختیار کیے جائیں جن کی شرعاً اجازت ہے۔

توکل کے اقسام

اس کی تین قسمیں ہیں:

1۔ توکل عبادت

یعنی صرف اور صرف خداے تعالیٰ پر بھروسا کرنا اور اسی کا سہارا لینا۔

2۔ توکل شرک

ایسے امور و معاملات میں غیر اللہ پر اعتماد کرنا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہیں، یا اسباب و وسائل کو حقیقتاً مؤثر سمجھتے ہوئے ان پر کلی یا جزوی اعتماد کرنا۔

3۔ توکیل

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کسی شخص کو اپنا نائب مقرر کر دیں اور وہ آپ کی نیابت میں کوئی ایسا عمل سر انجام دے جو اس کی قدرت میں ہے اور شرعاً جائز ہے۔

توکل اور توکیل میں فرق

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ توکل ایک قلبی عمل ہے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے، جب کہ توکیل ایک ظاہری عمل ہے۔

توکل کی دلیل

﴿وَعَلَى اللهِ فَتَوَكَّلُوْا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

(سورۃ المائدہ: 23)

”اور خدا ہی پر بھروسا کرو، اگر تم صاحب ایمان ہو۔“

☆☆☆

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"المصالح والخيرات واللذات والكمالات، كلها لا تُنال إلا بحظ من المشقة، ولا يُعبر إليها إلا على جسر من التعب ؛ وقد أجمع عقلاء كل أمة على أن النعيم لا يُدرك بالنعيم، وأن من آثر الراحة فاتته الراحة، وأن بحسب ركوب الأهوال واحتمال المشاق تكون الفرحة واللذة ؛ فلا فرحة لمن لا هَمّ له، ولا لذة لمن لا صبر له، ولا نعيم لمن لا شقاء له، ولا راحة لمن لا تعب له؛ بل إذا تعب العبد قليلا استراح طويلا."

”مصالح و خیرات اور لذات و کمالات؛ سب ایک مشقت کے بعد حاصل ہوتے ہیں، تھکاوٹ کے پل سے گزرنا ہوتا ہے۔ داناؤں کا اجماع ہے کہ خوشیوں کے راستے میں خوشیاں نہیں ہوتیں، جو راحت کیلیے رک جائے وہ راحت سے محروم ہو جاتا ہے، اور راستے کے خطرات و مشقتوں کے بقدر ہی بعد میں راحت و سکون ملتا ہے۔ جو غم نہیں سہتا وہ خوشی نہیں پاتا، جو صبر نہیں کرتا وہ لذت نہیں چکھتا، جو مشکلیں نہیں دیکھتا وہ آسائش سے بھی محروم رہتا ہے، جو تھکتا نہیں ہے اسے سکون نہیں ملتا۔ طویل تر سکون کیلیے کچھ گھڑی کی تھکاوٹ ضروری ہے۔“ (مفتاح دار السعادۃ: 15/2)

☆☆☆

الایقاف علی سبب الاختلاف

جناب محمد حیات سندھیؒ (ف ۱۱۶۳ھ) کا رسالہ الایقاف جناب محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اردو ترجمہ وحواشی کے ساتھ ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد اول کے ضمیمہ نمبر 4 مجریہ رجب 1298ھ جنوری 1181ء (صفحات 24۔43) میں شائع کیا تھا۔ یہ رسالہ تقلید اور عمل بالحدیث کے موضوع پر ہے۔ اس میں آپ نے صراحت کی ہے کہ صحابہ، تابعین، آئمہ مجتہدین اور ان کے تلامذہ کے درمیان فقہی نوعیت کے اختلافات کیوں کر ابھرے۔ نیز اس رسالے میں صحابہ کے طریق استدلال، اسلوب استنباط اور تخریج مسائل کی بھی وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ ہمیشہ کتاب وسنت ہی کو مدار عمل ٹھہراتے تھے اور اگر انہیں اپنے قول وعمل کے خلاف کوئی حدیث پہنچ جاتی تو اسی وقت اس سے رجوع فرمالیتے تھے۔ اس رسالے سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ محمد حیات تقلید کے قائل نہ تھے بلکہ براہ راست کتاب وسنت کو بنیاد عمل قرار دیتے تھے۔

اس رسالے کو 1959ء میں جناب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے لاہور سے دوبارہ شائع کیا تھا۔ پھر ہندوستان میں ایک دفعہ جناب عبد الجلیل سامرودی کی سعی سے شائع ہوا۔ چونکہ برصغیر کی تحریک عمل بالحدیث میں اس تحریر کا مقام بہت بلند ہے لہٰذا ذیل میں اسے نذر قارئین کیا جاتا ہے۔

بسم الله الرّ حمن الرّحيم. سبحان الّذى قسم بحكمته الاحلام فى الأنام وجعلهم مختلفين فى الأفهام و اصلّى واسلّم على سيد الكرام و آله و صحبه إلى يوم القيامة. أمّا بعد فهذه إيقاف على سبب الإختلاف.

اعلم أنّ الله تعالى اصطفى من خلقه محمّداً ﷺ و جعل بينهم و بينه رسولاً وعلّمه كلّ ما يتعلّق بالدّين الّذى بعث به ومن أصحابه الّذين اختارهم الله لصحبته و نصرة دينه مغترفين من بحور علومه منهم المقل و المكثر على قدر الاستعداد و الفهم و الملازمة.

و النّاس فى ذلك متباينون بوناً عظيماً و لم يحط أحد منهم بجميع معلوماته بل ولا بجميع مقولاته إذ لا تحيطا الأنهار بالبحور و لكنّه ﷺ ما مات حتى بلغ إلى مجموع أمّته جميع ما أمر بتبليغه إليهم و كانوا متفرقين الاوطان و مختلفة الامكنة و البلدان وكان عند بعضهم من العلم ماليس عند غيره وكانوا يختلفون تارةً فى المعنى من النّص كما وقع لمن أمرهم النّبىّ ﷺ أن لا يصلّوا العصر إلّا فى بنى قريظة فمنهم من أخذ بظاهره ومنهم من أخذ بتاويله و يختلفون تارةً فى الاستنباط من النّصّ بالقياس كما وقع لعمرو بن العاص حين تيمم من الجنابة من شدّة البرد متلولا قوله تعالى لا تقتلوا أنفسكم، و تارةً فى غير ذلك ثمّ انتقل ﷺ و قام مقامه وزيره الأكبر وصديقه الافخر فكان ر ضى الله عنه يعمل بالكتاب و ما بلغه من السنّة و إن لم يجد فيها شاور الصّحابة فإن وجد عندهم نصاً أخذ به و قد فاته بعض الأحاديث و الأقاس على ما فى الكتاب والسنّة أو على أحدهما و أخذ به.

ثمّ انتقل إلى الله تعالى وقام مقامه الفاروق وكان يعمل بالقرآن و الحديث وإن لم يجد فيها شيئاً شاور الصّحابة فإن وجد عندهم نصاً أخذ به و قد فاته بعض الآثار و إلا كان غالباً أو تارةً بقول الصديق و الاجتهاد و استخرج آراء النّاس فما رآه صواباً أخذ به و قلما يخطىء فى رأيه ثم انتقل إلى الله وقام مقامه ذو النورين فكان يأخذ بالكتاب و السنّة و قول الشّيخين غالباً أو تارةً ثمّ انتقل إلى الله تعالى وقام مقامه زوج الزهراء فكان يأخذ بالكتاب و الأثر والقياس الأنور.

و كان الصحابة اعلم النّاس بالكتاب والسنّة و افهمهم بهما و كانوا يعملون بهما وكانوا يرجعون عن أقوالهم و أفعالهم إذا بلغهم الحديث الّذى فاتهم وكانوا يختلفون فى بعض الفروع و لم يقصروا فى اتّباع الحقّ و تفرّقوا فى مشارق الأرض ومغاربها وجنوبها و شمالها و أخذ منهم العلوم أقوام متفرقون ثمّ لا يزالون يقلون و كثر الإختلاف بسبب اتباعهم الّذين أخذ عنهم العلوم حتى انقرضوا بالكلية.

وقام مقامهم فى الفتوى وغيره علماء التابعين وزادوا فى الاختلاف لاختلافهم فى العلوم و الفهوم ثمّ قام مقامهم علماء التّابعين و زادوا فى الإختلاف و ربّما اتفقوهم و من قبلهم

فی ما کان مختلفاً فیه قبل فصار الأمر الّذی یجتمعون علیه مجمعاً علیه بعد إن کان مختلفاً فیه و کان فی کلّ زمن و بلد خلق کثیر من أهل الاجتهاد و الفتوی و الحدیث و نحوها وکانت لهم مذاهب مختلفة و آراء مبتدرة و وفق اللہ تعالی تلامذة الائمة الاربعة وأصحابهم فحفظوا مذاهبهم ودوّنوها و نشروها حتّی لم یبق من اتّباع غیرهم الّا أقل قلیل بحکمة یعلمها اللہ تعالی و تدارست مذاهب غیرهم و بقیت مذهبهم معمولة.

وسبب الاختلاف اشیاء کثیرة لایمکن حصرها منها الاختلاف فی العلوم والفهوم و کون النّصوص قابلة للاحتمالات باعتبارات االفاظ و النظم التركیب و إیساق و غیر ذالك. نقل الحافظ ابن القیم عن ابن حزم ما حاصله انّه قد یحفظ الانسان الحدیث فلا یحضره ذکره فیفتی بخلافه وقد یعرض هذا فی القرآن الا تری ان عمر نهی أن یزاد فی المهر علی عدد مهر النّبی ﷺ حتّی ذکرته امرأة بقول اللہ تعالی و آتیتم إحداهن قنطاراً. فترك قوله و قال کل واحدٍ اعلم من عمرو کذلك أمر برجم امرأة ولدت لستة أشهر فذکره علی بقوله تعالی و حمله و فصاله ثلاثون شهراً مع قوله تعالی: والوالدات یرضعن أولادهن حولین کاملین. فرجع عن الأمر برجمها وهم یسطو بعیینة بن حصن أذ جفا علیه حتی ذکر الحارث بن قیس بقول اللہ تعالی و أعرض عن الجاهلین. و انکر موته ﷺ حتی قرىء قوله تعالی إنّك میّت و إنّهم میّتون فرجع عن ذلك و قد کان علم الآیة و لکن نسیها لعظم الخطب الوارد علیه و قد یذکر العالم الدّلیل ولکن یتاول فیه تاویلاً من خصوص و نسخ وغیرهما ولا شكّ أنّ الصحابة ما کان کلّ وا حدٍ مّنهم یطلع علی جمیع ما صدر عنه ﷺ لاشتغالهم بأمر معاشهم و اغراضهم فیحضر عنده بعض دون بعض فلمّا مات ﷺ و ولی ابوبکر کان إذا جاء تهم القضیّة ولیس فیها نصّ، سأل غیره. فإن وجد نصّاً تبعه و الّا اجتهد و قد یکون فی تلك القضیّة نصّ عند غیر من حاضراً عنده کان التّیمّم للجنب عند عمار وغیره و غا ب عن عمرو ابن مسعود جواز المسح علی الخفین عند علی ؓ و حذیفة و غاب عن عائشة و ابن عمر و ابی هریره مع انّهم مدنیّون و توریث بنت الابن مع البنت عند ابن مسعود وغاب عن ابی موسی و توقیت الاستیذان کان عند ابی موسی وابی سعید و ابی(بن کعب) و غاب عن الفاروق و کان علم جواز النفر للحائض اذا طافت طوا ف الفرض عند ابن عباس و ام سلیم وغا ب عن زید بن ثا بت وکان علم نسخ حل متعة النساء وعلم حرمة الحمر الأهلیة عند علی ؓ وغیره وغاب عن ابن عباس وکان علم عدم جواز الصّر ف نسیئة عند عمرو ابی سعید وغیرهما و غا ب عن طلحة و ابن عباس و مثل هذا کثیراً و مضی الصّحابة وخلفهم التّابعون الآخذون عنهم وکانوا مختلفین فی العلوم والافهام و کلّ کان یفتی علی مبلغ علمه ولا یکلّف اللہ نفساً الّا وسعها وکلّ ماجور علی ما أصاب فیه اجرین و ماجور فیما خفی عنه اجراً وا حداً و قد یبلغ الرّجل نصّان ظاهر التّعارض فیمیل الی أحدهما بنوع من التّرجیحات ویمیل غیره إلی ما ترکه بنوع آخر من التّرجیحات و مثل هذا کثیر-

و لهذه الوجوه ترک بعض العلماء ما ترکوا من الاحادیث و الآیات و خالفهم نظراء هم فاخذ هئولاء ما ترك أولئك واخذ أولئك ما ترك هئولا - لا للقصد إلی خلاف النّصوص و إذا قا مت الحجّة علی من بلغه شیء صحیح من الدّلیل ای من غیر تعارض او نحو ہ فلم یبق ترکه الّا للعناد و التّقلید وعلی هذه الطریقة کانت الصحابة ؓ. انتهی کلامه ملخصاً. و نقل ابن القیم ایضاً عن شیخه ابن تیمیة جماع الاعذار فی ترك من ترك من الآئمة حدیثاً ثلاثة اصناف - احدها عدم اعتقاده انه ﷺ قاله. و الثّانی عدم اعتقاده انه اراد تلك المسئلة بذلك القول. الثالث اعتقاد نسخه و هذه تتفرع إلی أسباب متعددة منها أن لایکون الحدیث قد بلغه و قاس وقد یوافق قیاسه الحدیث المتروك و یخالفه آخر وهذا السّبب هو الغالب علی أکثر مایوجد من أقوال السّلف مخالفاً لبعض الأحادیث فان الاحاطة بحدیث رسول اللہ ﷺ لم یکن لاحد واعتبر بالخلفاء الرّاشدین الّذین هم اعلم النّاس برسول اللہ ﷺ خصو صاً الصّدیق الاکبر الّذی قلّ ما فارقه و قد خفی علیه میراث الجدة و علمه المغیرة بن شعبة و عمران بن حصین و محمد بن مسلمة و خفی علی عمر توریث المرأة من دیة زوجها حتّی اخبره رجل من أهل البادیة وخفی علیه حدیث اخذ الجزیة عن المجوس حتّی اخبره

عبدالر حمن بن عوف و خفی علیه حدیث النهی عن القدوم علی ما فیه الطّاعون حتّی اخبره عبد الرحمن و خفی علیه حدیث الرّ یح حتی اخبره ابوھریرۃ و کان یفتی باختلاف الدّیة فی الاصا بع و کان عند ابن عباس و ابی موسی علم انّ النّبیّ ﷺ قال ھذہ و ھذہ سواء و عمل به معا ویة حین بلغہ و کان لا یری ھو (یعنی عمر) و ابنه عبد الله التطیب عند الاحرا م ولا یعد رمی الجمرۃ قبل طوا ف الفرض و قد صحّ جواز ذلك عنه ﷺ و کان یری عدم التّوقیت فی المسح علی الخفّین و قد صحّ فی التّوقیت احادیث وکان علی ؓ و ابن عباس یریان ابعد الاجلین علی المتوفّی عنها زوجها وقد صحّ عنه ﷺ ان انقضاء عدّتها بوضع حملها و کان یری زید بن ثا بت و ابن عمر وغیرھما انّ المفوضه إذا مات عنها زوجها لا مھر لها و قد صحّ انه ﷺ جعل لها المھر کاملاً و ھذا با ب وا سع و امّا المنقول فیه عن غیر الصّحابة فا کثر من ان یّحصی فا ذا خفی علی اعلم الامة و افقھها بعض السّنّة فما الظّن بمن بعد ھم فمن اعتقد ان کل حدیث بلغ کل فرد من الآئمة او اماماً معیناً فقد اخطأ خطأً فاحشاً قال ابو عمر و لیس احد بعد رسول الله ﷺ الّا و قد خفیت علیه بعض السّنّة و ھذا الدّواوین جمعت بعد انقراض الآئمة   ولا یمکن انحصار الاحادیث فیها ولیس کلّ من عنده ھذہ الدّوا وین یحیط بها علماً بل دوا وین المتقدمین صدورھم وھم اعلم ومنها ان یکون الحدیث بلغه لکن لم یصح عنده وصحّ عند غیره فیکون حجّة علی من بلغه من وجه صحیح لا علی من لم یبلغ و لهذا علق کثیر من الآئمة القول بموجب الحد یث علی صحّته فیقول قولی فیها کیت کیت و قد روی فیها حد یث بخلافه فان صحّ فهو قولی و امثلة ھذا کثیرۃ جداً

وذکر ابن القیم من اسباب الاختلاف اشیاء منها ان احد المجتهدین یعتقد ضعف احد والآخر ثقته ومنها ان بعضهم یشترط فی خبر الواحد العدل شرطاً یخالفه غیره ومنها عدم معرفته بدلالة الحدیث امّا لکون لفظ الحد یث الحد یث غریباً عنده او یکو ن لفظه مشترکاً اومجملاً اومحتملاً فیه الحمل علی ظاھر معناہ الحقیقی والمجازی ومنها عدم تفطنه لدخول فرد معین تحت عام بعد علمه به امّا لعدم احاطة بحقیقة ذلك الفرد ومماثلته لغیره من الافراد الدّا خلة تحت العام و امّا الخطرۃ علی باله وأمّا لاعتقادہ و اختصاصه بخصیصة تخرجه من العام و منها اعتقادہ العموم فیما لیس بعام او الاطلاق فی المقیّد فیذھل عن التقیید - و منها اعتقادہ عدم دلالة اللفظ علی الحکم المتنازع فیه اما لعدم معرفته مدلول اللفظ فی عرف الشّرع فیحمله علی خلاف مدلوله أو یکون له فی عرف الشرع معنیان فیحمله علی احد ھما و یحمل غیره علی غیر ذلك او لفهمه من الخاص العموم او من العام المخصوص و من المطلق المقید و من المقید المطلق و منها انّ النّص عارضه ما یساویه أو أقوی منه و للتّعارض انواع قال ابن القیم ؒ فمن ھداہ الله تعالی الی الاخذ با لحق حیث کان و مع من کان ورد الباطل مع من کان فهذا اعلم النّاس و أھدا ھم سبیلاً و اقومهم قیلاً و أھل ھذا المسلك اذا اختلفوا فاختلافهم رحمة وھدی وھو من باب التّعاون علی الدّین کل یخبر بما رأہ صواباً عنده فان قوبل بین الآراء المختلفة وعرضت علی کتاب الله و سنّة رسول الله ﷺ و تجرد النّظر من التعصب و الحمیة و استفرغ و سعه وقصد طاعة الله و رسوله ﷺ قل ان یخفی علیه الصّواب من تلك الاقوال وما ھو اقرب إلیه و ھذا النّوع من الاختلاف لا یوجب معاداۃ و لا افترا قا فی الکلمة و لا تبدید الشمل - انتهی

قلت اذا کان المعبود ا لآمر بالعبادۃ وا حد و الرّسول ﷺ وا حداً و الدّین واحداً وھؤلاء العلماء کلّهم یریدون اتّباع الدّین و لا یقصرون و کل له فضائل و کمالات و قد قال الله فا سئلوا أھل الذّ کر ان کنتم لا تعلمون- فالتعصب لمعین والجمود علی قوله لماذا ؟نقل الحافظ ابن حجر فی لسان المیزا ن عن الطحاوی انّه قال او کلّ ما قال به أبو حنیفة اقول به ؟ وھل یقلّد الّا عصبی او غبی فطارت ھذہ الکلمة بمصر حتی صارت مثلاً- انتهی. و مذھب کلّ امام ما قاله و لم یرجع عنه ولا یمکن عن مجتهد قولان متباینان من غیر ر جوع من ا حد ھما- اللّهم الا ان یکو ن متردداً فی ذلك و یحتمل ان یقول المجتهد قولاً ثمّ یرجع الی غیره ثم یرجع عن الآخر الی ا لاوّل و لم ار لهذا مثالاً فی الاقوال المجتهدین ولم یکن لاحد من تلامذہ الامام واصحابه ان یعرف جمیع مذھبه و ھذا ظاھر وغالب اختلاف اصحاب اربا ب المذا ھب سببه ان بعضهم یعرف

من المذ هب ما لا يعرف غيره و منهم من يعرف القول المرجوع عنه ولا يعرف المرجوع اليه ويفتى بالاوّل و منهم من لا يعرف عن الامام نصاً فيقيس على مسائل الامام و يخا لفه غيره فى ذلك القياس فتارة يصيب هذا و تارة هذا و كثيراً ما يختلفون فى فهم معانى قول الامام و دلالتها و هذا با ب واسع جداً و ليس كل مايستنبط ر جل من اقوال الامام يكون مذ هبه بل تارة يوافق مذ هبه و تارة يخالفه ولا ينبغى ان تنسب الاقوال المستنبطة من اقوال الآئمة للآئمة بانّها اقوالهم او مذاهب لهم قطعاً لانه يحتمل انها عرضت عليهم قبلوا شيئاً منها و ردوا اشياء آخر و هذا كما لا ينسب ما استنبط المجتهدون من اقوال النّبى ﷺ اليه على انّها أقواله و يحتمل كونها شريعة قال ابن تيميه فى ردّ الروا فض تجد أحد الطائفتين أو الرجلين من النّاس لا يكذّب بما يخبر به من العلم لكن لا يقبل ما تأتى به طائفة أخرى من الحقّ سواء كان من باب الصّدق المعروف بالخبر أو من الصّدق المعروف با لنّظر فيقبل ما ذكرته طائفة من معقول و منقول و يرد ما ذكر ته الطّائفة ا لاخرى - انتهى

قلت هذا كثير فى اصحاب أرباب المذاهب خصوصاً فى أهل زماننا هذا تراهم لا يعتمدون إلا ما وجدوه منقولاً من أهل مذهبهم سواء كا ن ذلک قول امامهم أم لا -

(فائدة) الّذى ظهر لهذا القاصر ان معظّم المسائل المذكورة فى أصول الفقه مأخوذ من اقوال الآئمة ذلك ان ينظر مثلاً بعض اتباع الآئمة فى مسائلهم فيجد كثيراً منها راجعة الى اصل واحد فيجعل ذ لك الاصل قاعدة لها و لا مثا لها و قس على هذا و ربّما يوافق التّاخر المتقدم و ربّما يخالفه وربّما يقلّده فربّمايصيب المتقدم وربما يصيب المتأخّر والانصاف خير الاوصاف فى باب الاختلاف و الرجوع على الاتفاق اولى من الافتراق و الله اعلم بالصّوا ب و إليه المرجع و المآب - و صلّى الله تعالى على سيّد نا محمّد خير خلقه و آله و صحبه و بارك و سلّم-

منزہ ہے وہ (خداوند تعالی) جس نے اپنی حکمت سے لو گوں میں عقلوں کو بانٹا اور ان کو مختلف سمجھوں والے کر دیا اور درود و سلام سب بز ر گوں کے سردار (آنحضرت ﷺ) پر ہو اور آپ کی آل واصحاب پر قیامت کے دن تک۔ امابعد۔ یہ رسالہ ہے ایقاف علی سبب الاختلاف۔

تو جان لے بلا شبہ خدا تعالی نے آنحضرت ﷺ کو اپنی مخلوق سے چن لیا اور اپنے بندوں میں اور اپنے میں پیغامبر بنایا اور ان سب کو جو کچھ دین کے متعلق تھا، تعلیم فرمایا اور آنحضرت ﷺ کے اصحاب، جن کو خدا نے آپ کی صحبت اور آپ کے دین کی مدد کے لئے چن لیا تھا، آپ کے دریائے علوم سے چلو بھرتے تھے اپنی سمجھ و قابلیت وصحبت کے اندازہ کے موافق، کوئی کم کوئی زیادہ۔ اس میں وہ آپس میں بڑا فرق رکھتے۔ ان میں سے کسی نے آپ کی سبھی معلومات اور اقوال پر احاطہ نہ کیا کیونکہ نہریں دریاؤں کو گھیر نہیں سکتیں۔ ولیکن ہنوز آنحضرت ﷺ فوت نہ ہوئے تھے کہ جملہ امت کو سبھی کچھ، جس کی تبلیغ کے وہ مامور تھے، پہنچ گیا۔ وہ لوگ متفرق وطنوں، مختلف مکانوں اور شہروں میں رہتے تھے۔ ان میں ایک کو وہ علم ہو تا جو دوسروں کے پاس نہ ہو تا۔ اور کبھی وہ معنی حدیث میں اختلاف کرتے جیسے ان لوگوں کو ہوا جن کو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ ہی میں پڑھیں ۔ پھر کسی نے اس کے ظاہری معنی لئے، کسی نے تاویل کی (بنی قریظہ ایک یہودی قبیلے کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ کو بہت ستاتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نواح مدینہ میں ان پر دھاوا کرنے کو نکلے تو یہ حکم دیا۔ پھر کسی نے ان میں سے اس حکم کے ظاہری معنی کا لحاظ کیا اور کہا کہ ہم راستہ میں نماز پڑھیں گے اور کسی نے اس حکم کی تاویل کی اور یہ بات کہی کہ اس حکم سے جلد پہنچنا مقصود ہے، نماز میں تاخیر کرنا مقصود نہیں ہے۔ پس نماز راستہ میں پڑھ لی۔ جب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آنحضرت ﷺ نے کسی فریق کو سرزنش نہ کی ۔ دیکھو صحیح بخاری)۔ اور کبھی نص (آیت قرآن یا حدیث) سے استنباط کرنے میں اختلاف کرتے، جیسے عمرو بن عاصؓ کو اتفاق ہوا جب کہ انہوں نے سخت سردی میں جنابت سے تیمم کر لیا۔ اور کبھی اور میں اختلاف کرتے ۔ پھر آنحضرت ﷺ نے رحلت فرمائی، تو آپ کے قائم مقام وزیر اکبر اور صدیق اکبر ہوئے ، تو آپ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ پر جو آپ کو معلوم ہوتی، عمل کرتے۔ ان دونوں میں (اپنے نزدیک) کوئی حکم نہ پاتے تو اصحاب رسول اللہ ﷺ سے مشورہ لیتے۔ پس اگر ان اصحاب شوری کے پاس کوئی حدیث پاتے تو اس کو عمل میں لاتے اور بعض حدیثیں آپ کو معلوم ہی نہیں ہوتیں۔ اگر ان کے پاس بھی کوئی حدیث نہ پاتے تو (کسی حکم) کتاب و سنت پر قیاس فرماتے۔ (مترجم محمد حسین کہتا ہے اس رسالہ میں جابجا اکابر صحابہ کے قیاس کرنے کا ذکر ہے اور بہت سی کتب حدیث میں انہی اکابر صحابہ سے قیاس کی نفی و مذمت بھی مروی ہے ۔ ان آثار نفی و مذمت کی نظر سے اصحاب ظواہر آثار مثبتہ قیاس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جن مسائل کو ان اکابر نے بصورت قیاس بیان کیا ہے، ان مسائل میں ان کا اعتماد در اصل قیاس پر نہ تھا بلکہ اور دقیق استنباط کتاب و سنت پر تھا جس کو انہوں نے لائق سمجھ مخاطبین نہ دیکھا اس لئے ان مسائل کو سمجھ مخاطبین کے موافق صورت و پیرا یہ قیاس میں بیان کیا۔ اس تاویل کی تائید میں وہ یہ نظر یہ پیش

کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے ایک عورت نے اپنی ماں کی طرف سے حج کرنے کا پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اگر تیری ماں پر قرض ہو تو اس کو تو ادا کرے گی یا نہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا کا حق بھی ادا کرو۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم آنحضرت ﷺ نے مخاطب کے سمجھانے کو پیرایہ قیاس میں بیان کیا ہے، نہ یہ کہ در حقیقت آنحضرت ﷺ نے حج کا قرض پر قیاس کیا ہے کیونکہ قیاس بوقت موجود نہ ہونے نص کے ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کا کلام خود نص ہے جو وحی غیر متلو کہلاتا ہے۔ پس اس کے ہوتے آنحضرت ﷺ کا قیاس کرنا کب متصور تھا)۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے انتقال کیا اور آپ کے قائم مقام عمر فاروقؓ ہوئے۔ وہ بھی قرآن و حدیث پر عمل کرتے اور اگر قرآن و حدیث میں کوئی امر نہ پاتے تو اور اصحاب سے پوچھتے۔ ان کے پاس کوئی حدیث پاتے تو اس کو لے لیتے۔ اور بعض حدیثیں آپ کو بھی معلوم نہیں ہوئیں۔ اور اگر کوئی حدیث ان کے پاس بھی نہ پاتے تو اکثر یا گاہے قول صدیق اکبر کو ہی عمل میں لاتے۔ ورنہ خود اجتہاد کرتے اور لوگوں کی رائے بھی لیتے پھر جس رائے کو صواب سمجھتے اس پر عمل کرتے اور اپنی رائے میں خطا کم کرتے۔ پھر آپؓ نے انتقال کیا تو آپ کے قائم مقام عثمان ذوالنورینؓ ہوئے۔ وہ بھی کتاب و سنت پر اور غالباً یا نادراً اقوال شیخین (صدیقؓ و فاروقؓ) پر عمل کرتے۔ پھر آپؓ نے انتقال کیا اور آپ کے قائم مقام (علی مرتضیٰؓ) شوہر فاطمہ زہراءؓ ہوئے تو آپ بھی قرآن و حدیث و قیاس پر عمل کرتے۔ سبھی صحابہ کو قرآن و حدیث کا علم و فہم خوب تھا اور وہ سب قرآن و حدیث پر عمل کرتے اور اپنے قول و فعل سے رجوع کر لیتے، جب ان کو (اپنے قول و فعل کے مخالف) کوئی حدیث پہنچتی جو پہلے نہ پہنچی تھی۔ اور بعض فروعات میں آپس میں اختلاف بھی رکھتے مگر امر حق کے مان لینے سے قصور نہ کرتے۔ وہ مشرق و مغرب و جنوب و شمال میں پھیل گئے تھے اور مختلف قوموں نے ان سے علوم حاصل کئے۔ پھر اصحاب کم ہوتے گئے اور اختلاف بڑھتا گیا۔ ان لوگوں کی جہت سے جنہوں نے ان سے علوم حاصل کئے تھے یہاں تک کہ وہ بالکل تمام ہوئے۔ اور فتوے وغیرہ میں تابعین ان کے قائم مقام ہوئے اور وہ اختلاف علم و فہم کے سبب اختلاف میں بڑھ گئے۔ پھر تبع تابعین ان کے قائم مقام ہوئے تو وہ اختلاف میں اور بھی بڑھ گئے اور بعض مسائل جن میں پہلے صحابہ میں اختلاف تھا، تابعین و تبع تابعین کا اتفاق ہو گیا اور وہ امر اختلافی اتفاقی بن گیا۔ ہر زمانہ اور ہر شہر میں بہت لوگ صاحب فتوی و حدیث و اجتہاد ہو گئے اور ان کے مذاہب مختلف اور آراء متفرق ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے ائمہ اربعہ کے شاگردوں اور ساتھیوں کو توفیق دی تو انہوں نے ان کے مذاہب کو ضبط کیا اور ان کی کتابیں تصنیف کیں اور ان کو پھیلایا یہاں تک کہ خدا کی حکمت سے، جس کو وہی جانتا ہے،(مترجم محمد حسین کہتا ہے کہ مذاہب اربعہ کی شہرت اور دوسرے مذاہب حقہ کی دراست و ندرت کی اصل حکمت کا خدا ہی کو علم ہو گا جیسا کہ مصنف نے کہا ہے مگر اس کا ظاہری سبب دنیاوی شوکت و ریاست ہی علماء نے بیان کیا ہے کہ مذہب امام ابو حنیفہ اور مذہب امام مالک کا سبب اشتہار یہ ہوا ہے کہ ان مذاہب کے اکابر و اعیان کو قضاو قرب حکام وقت حاصل تھا۔ پس اس قرب و رتبہ کے ذریعہ سے انہوں نے ان مذاہب کو پھیلایا جن کو اپنے اپنے اعتقاد میں برحق اور سنت کے مطابق سمجھا۔ شاہ ولی اللہ محدث نے حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ 151 میں کہا ہے:

و كان أشهر أصحابه ذكراً أبو يوسف فولّى القضاء القضاة ايام هارون الرّشيد فكان سبباً بظهور مذهبه و القضاء به في اقطار العراق و خراسان و ما وراء النهر.

یعنی امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں بڑے مشہور امام ابو یوسفؒ تھے۔ وہ ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہو گئے۔ یہ ان کے مذہب کے ظاہر ہونے اور اسکے موافق عراق و خراسان و ماوراء النہر کے اطراف میں قضا نافذ ہونے کا سبب ہوا۔ اور شاہ عبد العزیز بستان المحدثین میں فرماتے ہیں :

ابن حزم در جائے نوشته که این دو مذهب در عالم از راه ریاست و سلطنت رواج و اشتهار گرفته اند مذهب ابو حنیفه و مذهب مالک زیرا که قاضی ابو یوسف قضا کل ممالک بدست آورده از طرف او قضاة میر فتند پس بس بر هر قاضی شرط مے کرد که عمل و حکم بمذهب ابو حنیفه نماید و در اندلس یحی بن یحی را نزد سلطان آن وقت بحدے کمنت و جاه حاصل گشت که هیچ قاضی و حاکم بے مشوره او منصوب نمی شد پس او غیر از یاران و همدمان خود را متولی نمی ساخت ۔ انتهی کلام ابن حزم ۔

جناب شاہ صاحب نے اندلس میں مالکی مذہب کے رواج کا یہ بھی سبب بتایا ہے کہ لوگ اندلس سے حج و زیارت مدینہ منورہ کیلئے آتے اور مدینہ میں امام مالک کی فضیلت اور بزرگی و وسعت علم کا حال سن کر اندلس میں جا سناتے تو اس سے اندلس کے لوگ امام مالکؒ کے معتقد و مقلد ہو جاتے۔ اور جو مصنف نے تصنیف و تدوین کتب مذاہب اربعہ سے خاص کیا ہے یہ خصوصیات اکثر مذاہب کی نسبت صحیح ہے۔ اس سے مذہب محدثین مستثنیٰ ہے۔ اس مذہب کی تدوین مذہب مجتہدین کی تدوین سے پیشتر ہو چکی تھی جس نے کتب حدیث کو غور سے بھی دیکھا ہو گا اس پر یہ امر مخفی نہ ہو گا۔ محمد حسین) اور مذاہب کے اتباع بجز اقل قلیل باقی نہ رہے۔ وہ مذاہب بے نشان ہو گئے۔ ان ہی چاروں اماموں کے مذاہب معمول و مروج رہے۔

نام کتاب: مقالات و فتاویٰ

مرتب: ڈاکٹر صہیب حسن دام ظلہ

ناشر: مکتبہ ضیاء السنہ، اسلام آباد

صفحات: 572، طباعت شاندار

فضیلۃ الشیخ عالم ربانی حضرت ڈاکٹر صہیب حسن حفظہ اللہ کا نام علم و عمل اور محبت و قدردانی کا استعارہ ہے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ الشیخ البانی، شیخ ابن باز اور شیخ صہیب حسن رحمۃ اللہ علیہم کا زمانہ پایا، ان سے یادگار ملاقاتوں، محبتوں اور عقیدتوں نے کئی پہلو سے قلب و نظر کی ٹھنڈک حاصل کیں اور مؤخر الذکر سے مسلسل رفاقت کے 34 سال، تو میں سمجھتا ہوں حاصل زندگی ہیں۔

ڈاکٹر صہیب حسن کا نام اُس وقت سنا تھا، جب میں ڈاکٹر اسرار احمد کے ادارے اور ماہنامہ 'میثاق' سے وابستہ تھا اور ان کی صلاحیتوں اور علمی گہراؤں سے اس وقت متاثر ہوا۔ جب اسرار احمد کے رسالے مسلمانوں پر قرآن کریم کے پانچ حقوق کا عربی ورژن"ما ذا يجب على المسلمين تجاه القرآن" کو پڑھا اور عملاً قافلہ اسلاف کا یہ عملی نمونہ 1990 میں مانچسٹر کی مسجد کے افتتاح کے موقع پر ڈاکٹر صاحب سے باہمی تعارف سے میسر آیا۔ وہ دن اور آج کا دن اپنی خوش قسمتی پر ہاتھ آیا کہ شیخ البانی کی ثقاہت الشیخ ابن باز کی سخاوت و تقویٰ اور حسن مصاجبت کی چلتی پھرتی تصویر بلا مبالغہ اس مجسمہ اخلاق و محبت صہیب حسن میں پائی ہے۔ اللہ انہیں عمر نوح عطا فرمائے۔ ڈاکٹر صہیب حسن لندن جماعت کے امیر تو ہیں، مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے برسوں امیر رہے اور بطور ناظم نشر واشاعت اس جماعت کا 20 سال سے زیادہ عرصہ مجھے بھی ان کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ آپ حضرت مولانا محمود احمد میرپوری نور اللہ مرقدہ کے ساتھ مل کر مجلہ 'صراط مستقیم' اردو وانگریزی کے صفحات کو اپنے علمی انوار سے روشن رکھتے رہے اور اب تک علم و عمل کی روشنیاں بکھیر رہے ہیں۔

اللہ نے آپ کو لکھنے لکھانے کے ساتھ ساتھ حسن ایڈیٹنگ کا ملکہ بھی عطا فرمایا اس لیے انہوں نے اپنے مقالات کو مجلہ کے صفحات میں بے نشان نہیں ہونے دیا، بلکہ انہیں الگ کتاب میں محفوظ کر دیا جس کا پہلا حصہ چند سال قبل شائع ہوا تھا۔ (2015) اور دوسرا مجموعہ کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد 2024ء میں اب ہمارے سامنے جگمگا رہا ہے۔ اس بار جولائی میں منعقدہ اسلامی دعوت کانفرنس کے موقعہ پر ان کے ہاتھوں سے ہم تک پہنچا۔

پہلا حصہ مقالات کا ہے، جس کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے۔

قرآنیات، (الفاتحہ اور قرآن کی سورتوں کا باہمی ربط، سورہ التین کے رموز و اسرار) اس میں عجیب نکتہ آفرینی کی گئی ہے کہ سورہ میں انجیر، زیتون، طور سینا اور بلد الامین کی قسمیں کھائی گئی ہیں، انسانی نفوس ان چار مثالوں کی طرح ہیں کچھ انجیر کی طرح شیریں، کچھ زیتون کی طرح ترش مگر صاف اور روشن ضمیر اور کچھ طور کی طرح مضبوط اور تجلیات ربانی سے معمور اور کچھ بلد امین کی طرح امن و سکون والے، جن سے دوسروں کو طمانینت و راحت ملتی ہے اسی طرح جس میں جس قدر ایمان اور عمل صالح کا حصہ ہوگا اس میں اتنی ہی زیادہ خصال و عادات کا حصہ ہوگا۔ وہی احسن تقویم والے ہوں گے اور جو ایمان و اعمال صالحہ اور خوش خصالی سے محروم ہوں گے، وہی اسفل سافلین والے ہیں۔)

دعائیں کیوں بے اثر ہو گئیں، یزیدی کون ہیں؟ نصیری فرقہ کیا ہے؟ قادیانیت کی حقیقت، مرزا قادیانی کے بارے میں خدائی فیصلہ، اسلام اور قضیہ فلسطین، روہنگیا کے مسلمان، کرسمس کیا ہے، اسلام کا نظام وراثت، ڈاکٹر اسرار احمد کا تصور خلافت، برطانوی پارلیمنٹ میں مجوزہ شریعت بل، مسجد توحید میں ہونے والی تقریبات مثلاً تکمیل حفظ قرآن، تقریب اختتام صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مقالات میں تبصرہ کتب، منظوم ترجمہ قرآن، پیش لفظ کتاب تحریک ختم نبوت، تقریب بر مقالات مولانا اسماعیل سلفی، مکالمہ تصنیف ڈاکٹر محمد زبیر، تبصرہ بر کتاب حیات و خدمات مولانا عبد الغفار حسن از حافظ عبد الاعلی) اور ابن قیم کی مختصر سوانح حیات۔

یاد رفتگان

یاد رفتگان کے ضمن میں مولانا صہیب حسن نے جن اکابر کا ذکر کیا، ان میں حضرت مولانا سید داؤد غزنوی، سید ابوبکر غزنوی، امام حرم الشیخ ابن السبیل، حاتم زمانہ اور دورِ حاضر کے حافظ ابن حجر و امام ابن قیم فضیلۃ الشیخ عبد العزیز بن باز کے واقعات قلمبند کئے، جن سے ایمان و زمانہ ماضی مہک اٹھتا ہے۔ اسی طرح تذکرہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف، شیخ صالح الحصین کا تذکرہ بھی کیا۔

سید ابو بکر غزنوی کے تذکرے میں مولانا صہیب حسن نے مرشد و مخدوم سید ابو بکر غزنوی کے ساتھ اپریل 1976 لندن میں پیش آنے والے جان لیوا حادثے اور ان سے آخری ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

خاص قابل ذکر بات جو اس میں مولانا نے بتائی وہ یہ کہ جب آپ سید صاحب سے ملنے ہسپتال پہنچے تو ان کے سرہانے ایک کاغذ پڑا ہوا تھا جس میں پنجوقتہ نمازوں کی فہرست تھی اور ہر نماز کے ذکر کے بعد اثبات یا نفی کے نشانات تھے۔

اللہ اللہ !!

یہ نحیف و نزار جان لیوا حادثے کا شکار نمازوں کی ادائیگی پر کتنا بے تاب ہے۔ مخدوم غزنوی کے نمازوں کے اہتمام کی خبر مولانا صہیب حسن نے دی، جبکہ حکیم محمد سعید نے اپنے ایک مضمون میں ان کے ذکر و اذکار اور جسم و لباس کی طہارت کا اہتمام ذکر کیا۔یہ سب شہادتیں سید مرحوم کے درجات کی بلندی کے لیے سفارشات باذن ربہ کی غماز ہیں۔ اللہ کریم ہمارا خاتمہ بھی ایمان و عمل صالح کے ساتھ فرمائے۔

﴿تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ، وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيْقًا﴾

الشیخ ابن باز مولانا صہیب حسن سے کتنی محبت رکھتے تھے اس کا اندازہ ہمیں کئی بار ہوا جب شیخ کا کسی ہماری برانچ میں ٹیلیفونک خطاب ہوتا تو ترجمانی صہیب صاحب کرتے۔جب شیخ ابن باز سے ابتدائی سلام ودعا ہوتی تو وہ آپ سے والد گرامی اور اہل وعیال کے علاوہ کئی ذاتی احوال پوچھتے۔ الشیخ ابن باز حاتم وقت تھے۔عالم بے بدل تھے وقت کے ابن قیم و ابن حجر تھے۔حافظہ اتنا باکمال کہ برسوں کی بات انہیں ازبر رہتی ایک بار حرم میں ملاقات ہوئی، میں نے ایک خط کا تذکرہ کیا، تو الشیخ نے بتایا کہ اس کا جواب ہم نے تم کو بھیج دیا تھا اور وہ پاکستان کے پتے پر بھیج دیا تھا حالانکہ یہ کئی سال پہلے کی بات تھی۔میری حیرانی کی حد نہ رہی۔

امام حرم کی یاد میں جس میں ولی کامل حضرت الامام الشیخ محمد بن السبیل کا ایمان افروز تذکرہ ہے۔ الشیخ بن السبیل جو الشیخ ابن باز کے بعد علماء کا سرخیل تھے۔وہی تواضع وہی کریمانہ اخلاق وہی چھوٹوں کے ساتھ شفقت یعنی اسلاف کی روایات کریمانہ کی مکمل پاسداری۔

الشیخ ابن السبیل پر ایک مضمون اس خاکسار عبدالاعلیٰ نے بھی لکھا جو جنگ لندن میں شائع ہوا تھا۔ الشیخ سے جب بھی مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی خندہ پیشانی سے دل جیت لیتے تھی۔

1986 میں الشیخ پاکستان کے دورے پر بھی تشریف لائے بیگم کوٹ مدرسۃ البنات کے افتتاح پر الشیخ کی تقریر کا کچھ حصہ مجھے اور عطاء الرحمن ثاقب (رحمۃ اللہ علیہ) کو سامعین تک پہچانے کا موقع ملا۔ مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ میں تدریب المعلمین کورس کرنے کے لیے داخلے کے لیے کسی بڑے عالم کے تزکیے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو میری نظر الشیخ ابن السبیل پر پڑی اور دفعتاً الشیخ وہاں سے گزر رہے تھے۔

مدعا عرض کیا تو مجھے ساتھ لے کر اپنے مکتب تشریف لے گیے اور وہاں میرے لیے سفارشی خط ڈکٹیک کروایا پھر جب آپ ستمبر 1989 میں برطانیہ کے دورے پر تشریف لائے تو مانچسٹر کے بعد باٹلے مدینہ مسجد کے افتتاح کے موقع پر بھی ملاقات ہوئی، تو انہوں نے اتنی اپنائیت اور ذاتی دلچسپی ظاہر کی کہ دل و دماغ معطر ہو گیا۔ شیخ صہیب حسن نے تو پوری تفصیل سے ان کی پاکستان تشریف آوری کی روئیداد بیان فرمائی ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ فتاوی جات پر مشتمل ہے جس میں ڈاکٹر صہیب حسن ایک بلند پایہ مفتی نظر آتے ہیں۔

سوالات کا جواب دیتے ہوئے انہوں کے کئی موضوعات کو وضاحت سے بیان کیا جن میں شعروشاعری، انبیاء کی تعداد، سفر میں جمع بین الصلاتین، وتر میں دعائے قنوت، خلع کیسے جائز ہے؟ اسلام میں داڑھی کی اہمیت، ایک مجلس میں تین طلاق کا حکم، عورت کی امامت کا مسئلہ، تدوین قرآن، صحیح مسلم میں مرسل احادیث، جرابوں پر مسح، حیات شہدا، ایصال ثواب جیسے موضوعات پر خامہ فرسائی فرمائی ہے۔

غرضیکہ یہ کتاب ساتھ ہو تو ہر شخص سلف صالحین کے مقدس گروہ کی مجلس میں خود کو محسوس کرتا ہے۔

کتاب خوبصورت ہے، البتہ جلد بندی کچھ ایسے ہوئی ہے کہ کتاب کو پڑھنے کے لیے کافی تگ ودو کرنی پڑتی ہے۔ بالخصوص اگر کوئی حصہ نوٹ کرنا ہو تو بڑی مشکل محسوس ہوتی ہے۔کوئی ماہر جلد ساز ہو تو کافی آسانی سے مطالعہ ممکن ہوتا ہے۔

خاکسار: حافظ عبدالاعلی درانی۔بریڈفورڈ۔برطانیہ

23 ستمبر 2024، 19 ربیع الاول 1445ھ

☆☆☆

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

"دنیا کی اچھائیاں ختم ہو گئی اور برائیاں باقی ہیں چنانچہ آج مرنا ہر مسلمان کے لئے تحفہ (جنت) ہے۔"

فائدۃ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اِس دنیا میں سوائے آزمائش اور فتنے کے کچھ باقی نہیں رہا۔"(سنن ابن ماجہ: 4035)